PRINTED BOOK

بیادِ امام اہلِ سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز

اپریل تا جون ۲۰۰۵ء صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

"مسلمانو! اے شمع رسالت کے پروانو! اگر خدا نصیب کرے تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے صرف اور صرف کنزالایمان ترجمۂ قرآن ہی پڑھنا...... قرآن کریم کا اردو میں یہی سب سے صحیح ترجمہ ہے۔ اردو کے باقی جتنے ترجمے ہیں، ان میں سے اکثر ترجمے بے دینوں نے کیے ہیں اور انہوں نے بعض آیات کا ترجمہ منشائے ربانی کے خلاف کر کے مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگائی ہوئی ہیں ...... خدا نہ کرے آپ یا آپ کے گھر والے ان ترجموں کو پڑھ کر اپنی دولتِ ایمان کو ضائع کر بیٹھیں۔ ایمان کی حفاظت کے لیے بے ادبی و بے حرمتی سے مبرّا کنزالایمان کو پڑھنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ترجمۂ قرآن تفاسیر معتبرہ کے عین مطابق ہے۔"

(علامہ اختر شاہ جہاں پوری علیہ الرحمہ، پاکستان)

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

R.N.I. REGISTRATION NO. : 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

اپریل تا جون ۲۰۰۵ء ۵ جلد ۱۱ شمارہ ۲ (۴۰) صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

مدیر: محمد زبیر قادری (موبائل:9821127084)

منیجر: محمد اسحٰق برکاتی (موبائل:9821178158)

Distributed in Pakistan By :
Markazi Majlis-e-Riza
P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :
THE ISLAMIC TIMES
C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :
SHEHZAD ALI
P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

رابطہ کا پتہ:
Correspondence Address:
Tehreek-e-Fikr-e-Reza
167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008. India

آفس کا پتہ:
Office Address:
95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India
فون: 5600 8260

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza.net

پرنٹر پبلشر محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ تاپ شکر پرنٹنگ پریس جناب خلیل احمد ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008
سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ ناگپاڑہ ممبئی 400 008 سے شائع کیا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

نعت مقدس

از: غیاث الدین احمد عارفؔ مصباحی نظامی (نیپالی)

پانی پانی ہو رہا ہے آسماں
جب سے دیکھا ہے ترا حسن جواں

مجھ پہ گنجائش نہیں شک کی کوئی
عاشق صادق ہوں تیرا بے گماں

اب تو آجا دل میں میرے بس ہی جا
لے نہ اب مجھ سے زیادہ امتحاں

آ جگر میں دل میں انکھوں میں سما
ہو نہ ہو پھر آئے نہ ایسا سماں

دل مرا لگ جائے یہ ممکن نہیں
بن تمارے اے ہمارے جانِ جاں

صرف میں ہی اک نہیں ہوں بیقرار
تجھ سے پاتا ہے سکوں سارا جہاں

جلتے ہیں جبریل کے پر بھی جہاں
تو بلا خوف و خطر جائے وہاں

تجھ سے ہے سارا وجود کائنات
تو نہ ہوتا تو نہ کچھ ہوتا یہاں

تجھ سے ہی یوسف نے پایا تھا جمال
تجھ سے ہی عیسیٰ ہوئے راحت رساں

تیرے ہی صدقے کرم کی ہے امید
ورنہ یہ میرے عمل اور وہ جناں

کرلے توبہ آج ہی اے بندِ دیو
شان آقا میں نہ کر گستاخیاں

سوچ لے گستاخ پھر سے سوچ لے
ورنہ کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا واں

اور تو کچھ بھی نہیں عارفؔ کے پاس
بس تری رحمت کا ہے اک سائباں

اداریہ

محمد زبیر قادری

اسلام پر حملے اور ہماری بے بسی

امریکی ہفت روزہ نیوز ویک اور ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق اسلام سے محبت کے ''جرم'' میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے مسلمان قیدیوں نے ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۳ء میں مختلف اوقات میں بھوک ہڑتال اور اجتماعی خودکشی کی دھمکی دی جس کی وجوہات کا سراغ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ جسمانی اذیتوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے ان قیدیوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے شرم ناک طریقے اختیار کیے جارہے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ امریکی فوجی آئے دن قیدیوں کے ہاتھوں سے قرآن حکیم کے نسخے لیکر زمین پر پٹختے ہیں، انھیں پیروں تلے روندتے ہیں اور اس شرم ناک حرکت میں یہاں تک چلے جاتے ہیں کہ قرآن حکیم کو (نعوذ باللہ) باتھ روم کے فلش میں بہا دیتے ہیں۔ اس انتہائی قبیح اور مذموم فعل کی مذمت میں دنیا بھر کے مسلمان سراپا احتجاج ہیں لیکن ابھی تک اس کا کوئی اثر یا ردِ عمل نہیں ہوا۔

دو سال قبل ہی ایک امریکی پادری نے حضور سرور کائنات ﷺ کو (نعوذ باللہ من ذالک) دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد کہا تھا۔ جس پر پوری دنیا میں شدید ردِ عمل اور احتجاج ہوا لیکن اس پادری کا کسی نے بال بھی بیکا نہیں کیا۔

عراق کی ابوغریب جیل میں مسلمان مرد و عورت قیدیوں کو برہنہ کر کے ان کے ساتھ انسانیت سوز مظالم کی تصاویر کو دنیا بھر میں عام کیا گیا۔ اس پر احتجاج کیا گیا تو خاطیوں کو سزا دینے کا ڈرامہ کیا گیا۔ جو کہ ابھی تک جاری ہے۔

عورتوں کے ذریعے جمعہ کی نماز کی چرچ میں امامت کرانا اور میڈیا میں تشہیر۔

آپ غور کریں کہ اس طرح کے واقعات ایک تسلسل کے ساتھ کیوں رونما ہو رہے ہیں۔ ......

دراصل یہ سب یہود و نصاریٰ کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ اُن کا ہر کام ایک منصوبے کے تحت ہی ہوتا ہے۔ ۱۱ر ستمبر کو امریکہ نے اپنے پٹھو اسامہ کے ذریعہ جڑواں ٹاور پر حملے کروا کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ چھیڑ دی ہے۔ اس وقت ساری دنیا کے میڈیا پر طاغوتی طاقتوں کا قبضہ ہے۔ اس وقت پوری دنیا کا میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔ طاغوتی طاقتوں کی مرضی کے بغیر کوئی خبر باہر نہیں آتی۔ پھر کیوں ۱۱ر ستمبر کے بعد سے امریکی میڈیا سے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی داستانیں عام ہو رہی ہیں؟ دراصل امریکہ خود جان بوجھ کر ایسی خبروں کو 'لیک' ہونے اور ذرائع ابلاغ میں آنے کا موقع دے رہا ہے۔ اور ہم سادہ لوح مسلمان انہی سے ان کے ظلم کے خلاف احتجاج کر کے سزا یا معافی کا

مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا کسی مجرم نے بھی اپنے آپ کو سزا دی ہے؟ جب وہ ہی مجرم ہے وہ ہی منصف تو پھر انصاف کیسے ملے گا؟

ہمارے یہاں یہ شکایت عام ہے کہ دشمنانِ اسلام ہمارے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔...... ہم یہ کیوں بار بار بھول جاتے ہیں کہ دشمن کا تو کام ہی دشمنی کرنا ہے۔ لیکن ہم یہ غور نہیں کرتے کہ آخر دشمن اپنی سازشوں میں کامیاب کیسے ہوجاتے ہیں؟ ہم جانتے بوجھتے انھیں مواقع کیوں فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے مواقع فراہم کرنے ہی سے وہ کامیاب ہوتے ہیں۔

آج یہود و نصاریٰ نے ہمیں سراپا اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ ہم ہر معاملے میں صرف اُن کے ہی طریقوں کی تقلید کرتے ہیں۔ آج ہمارے پورے کلچر پر یہود و نصاریٰ کا کلچر مسلط ہوگیا ہے۔ ہمارے یہاں ابھی تک ٹی وی کے جواز و عدم جواز پر بحثیں ہو رہی ہیں جبکہ اسی ٹی وی کو ہتھیار بنا کر باطل قوتیں ہمارے فکر و ذہن، کلچر اور ہمارے مذہب کو تبدیل کر رہے ہیں۔ ہمیں اس قدر بے حس بنا دیا گیا ہے کہ ہم برائیوں کو اپنانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں اور دینی تعلیمات کو پس پشت ڈالتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دین اسلام پر، قرآن کریم پر اور سرورِ کونین ﷺ پر رکیک حملے کیے جا رہے ہیں اور ہم بے بس تماشائی ہیں بلکہ ہم میں سے اکثریت ایسی خبروں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑا دیتی ہے۔

بلاشبہ یہ سب قربِ قیامت کی علامات تو ضرور ہیں مگر ہم یہی سوچ کر کہ ''دیکھا جائے گا'' ''کیا کر سکتے ہیں'' کہہ کر نظر انداز کرنے لگے تو قیامت سے پہلے ہی ہم پر قیامت ٹوٹ پڑے گی، حشر آنے سے پہلے ہی ہمارا حشر خراب ہو جائے گا۔ جو ہو رہا ہے یہ صرف جھلکیاں ہیں، یہ صرف ٹریلر ہیں...... پوری فلم گزرنا ابھی باقی ہے۔

ہم یہ سوچ کر کیوں مطمئن اور خوش رہتے ہیں کہ ''ہم کو کیا، ہم تو محفوظ ہیں''۔ یاد رکھو! جب تک تمہارا دین سلامت ہے تم بھی سلامت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارا محتاج نہیں ہے، اُسے ہماری ضرورت نہیں ہے، ہم ہی اللہ تعالیٰ کے ہر معاملہ میں محتاج ہیں۔ وہ ہمارے بجائے کسی کو بھی ہدایت و توفیق عطا فرما سکتا ہے۔

اپنے کعبے کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہے ☆ اب ابابیلوں کے لشکر نہیں آنے والے

ہر شخص ذمہ دار ہے۔ ہم میں کا ہر شخص اپنے گھر، اپنے پڑوس، اپنے محلے کو سدھارنے کا عزم کرے تو ان شاء اللہ حالات کو قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ علما اور دینی تحریکیں اس سلسلے میں اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ ہمیں اپنے اندر بیداری پیدا کرنے کی مسلسل ضرورت ہے۔ ہم مسلمان کبھی سب سے آگے آگے تھے مگر اب زمانہ ہم بہت پچھڑ گئے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اپنے ایمان و عقیدہ کی تحفظ کے لیے، اپنی دنیا و آخرت کے تحفظ کے لیے، اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے، اپنے کلچر و اقدار کے تحفظ کے لیے ہم جہد مسلسل کرتے رہیں۔ ان شاء اللہ تبھی ہم دنیا و آخرت کے لیے ''کام یاب'' ہوں گے۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام

تقریر: ضیغم اسلام علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد، فاعو ذ باللہ من الشیطن الرجیم،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم حضرات! یہ دیارِ حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ ہے، آپ ﷺ حیات طیبہ کے ساتھ زندہ جلوہ گر ہیں، مدینہ منورہ کا ایک ایک ذرہ قابل صد احترام ہے۔ یہ وہ پاک مقام ہے جہاں دس سال متواتر قرآن پاک نازل ہوا اور جہاں بارہا جبریل علیہ السلام کو بارگاہِ نبوت کی حاضری کا شرف حاصل رہا۔ عظمت و رفعت کے اس احساس کے ساتھ میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ چند کلمات عرض کرتا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (پ ا، سورہ بقرہ، آیت ۳۰)" اور (یاد کیجیے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب"۔

اے محبوب! آپ یاد فرمائیں "اذ قال ربک" جب آپ کے رب نے فرمایا، یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو کسی کے علم سے متعلق ہو، جو چیز کسی کے علم میں ہے ہی نہیں اسے یاد دلانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا تو اس وقت حضور تاجدار مدنی محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ موجود تھے اور سید عالم ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ میرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ انی جاعل فی الارض خلیفہ کہ بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) نائب، تو پتہ چلا کہ حضور ﷺ آدم علیہ السلام کے بنائے جانے سے پہلے موجود تھے اور یہ بات حدیث شریف میں بھی آئی ہے کہ "کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد" کہ آپ ﷺ نبی تھے، جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے" اس حدیث کو امام ترمذی نے ترمذی شریف میں حسن صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ فقط موجود ہی نہیں تھے بلکہ اس بات کا علم بھی رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا ہے۔ اللہ اکبر! یہی وجہ ہے کہ "انا اولھم خلقاً واخر ھم بعثا" کہ میں پیدا ہونے میں سب نبیوں سے پہلے ہوں اور تشریف لانے میں سب نبیوں کے بعد...... حضور سید عالم ﷺ پیدا ہونے میں اگر سب نبیوں سے پہلے نہ ہوتے تو اذ قال ربک للملئکۃ والی بات کیسے بنتی؟ ابھی حضرت آدم علیہ السلام پیدا نہیں ہوئے تھے، ابھی آپ کا جسم اور آپ کی روح تخلیق کے مراحل میں تھی

کہ حضور سرور عالم ﷺ جلوہ گر تھے اور حضور ﷺ فقط موجود ہی نہیں تھے بلکہ صفت علم، صفت سمع، صفت بصر اور میرے آقا تمام صفات حسنہ اور صفاتِ محمودہ کے ساتھ موصوف تھے اور یہی وجہ ہے کہ میرے رب نے آپ ﷺ نام احمد اور محمد رکھا۔ میں اس وقت لفظ احمد اور محمد پر گفتگو نہیں کرسکتا...... ہاں اس وقت سلسلہ کلام جو جاری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا فرمایا اور سرور عالم ﷺ اس جہانِ رنگ وبو میں تشریف بعد میں لائے۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اوّل بھی ہیں اور آخر بھی ہیں، خلقت کے اعتبار سے اوّل ہیں اور بعثت کے لحاظ سے آخر ہیں، بلکہ میں اصرار کروں گا کہ جو اوّل ہوتا ہے وہی آخر ہوتا ہے، بظاہر یہ بات شاید سمجھ میں نہ آتی ہو لیکن میں اسے ایک مثال کے ذریعے سمجھاتا چلوں کہ جو اوّل ہوتا ہے وہی آخر ہوتا ہے، دیکھیے آپ ایک کھجور کا درخت لگانا چاہتے ہیں، سب سے پہلے آپ کھجور کی گٹھلی زمین میں بوئیں گے، اس سے نہایت نرم و نازک پودا اُگے گا اور وہ آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے ایک بڑا تناور درخت بن جائے گا، اس درخت پر پھل لگے گا، یہ کھجوریں تیار ہو جائیں گی، پک جائیں گی، پھر آپ ان کھجوروں کو درخت سے توڑ لیں، ان کا گودا کھائیں گے اور آخر میں گٹھلی رہ جائے گی، سب سے پہلے گٹھلی جو آپ نے زمین میں بوئی تھی، یہی گٹھلی کھجور کی اصل ہے۔

حضور سید عالم ﷺ اوّل ہیں اور اوّل اس لیے ہیں کہ آپ اصل ہیں ﷺ اور اصل اوّل ہوتی ہے۔ اصل نہ ہو تو فرع کا وجود کہاں سے ہو؟ جڑ نہ ہو تو تنا، شاخیں اور پتے کہاں سے ہوں گے؟ حضور ﷺ فقط یہ نہیں کہ انبیاء کی اصل ہیں کہ تمام نبیوں سے خلقت میں پہلے اور بعثت میں بعد میں ہیں، بلکہ اٹھارہ ہزار عالم کی اصل آپ ﷺ ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ اٹھارہ ہزار عالم کا وجود حضور ﷺ کے دامنِ محمدیت میں اس طرح چھپا ہوا تھا جیسے گٹھلی میں پورا درخت۔ جو چیز اندر نہ ہو وہ باہر آ ہی نہیں سکتی، مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کبھی کھجور کے پیڑ میں سے آپ نے سیب کا درخت پیدا ہوتا ہوا دیکھا ہے؟ دوسرے درخت سے آپ کو سیب کا درخت نہیں ملے گا، کیوں اس لیے کہ سیب کے پھل کی حقیقت اس گٹھلی میں موجود ہی نہیں ہے تو باہر کیسے آئے گی۔ کیا آپ کبھی آم کے پودے سے انگور کے پھل حاصل کرسکتے ہیں؟ یا کیا آپ مرغی کے انڈے سے کبوتر کا بچہ حاصل کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس کی حقیقت اس کے اندر ہے ہی نہیں اور جو چیز اندر نہ ہو وہ باہر کیسے آئے گی؟ اس لیے مَیں کہتا ہوں کہ جس چیز کا وجود حقیقتِ محمدیت کے دامن میں نہیں تھا، وہ قیامت تک باہر آ ہی نہیں سکتی۔ ساری کائنات کے لیے اصل الاصول حضور تاجدار مدنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبےٰ ﷺ ہیں۔

تو مَیں عرض کر رہا تھا کہ تمام حقائق کائنات میرے آقا کے دامن میں ہیں اور جو اوّل اور آخر ہوتا ہے سب کچھ اسی کے دامن میں ہوتا ہے، اٹھارہ ہزار عالموں کی حقیقت آپ ﷺ کے دامن قدسی میں اس

طرح مستور ہے جیسے کہ گٹھلی کے اندر تمام درخت مستور ہوتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ کے ذہن میں کوئی خلش ہو تو وہ ابھی دور کرلیں، میرے جانے کے بعد اگر آپ کے ذہن میں سوالات پیدا ہوئے تو مَیں ان کا جواب کیسے دے پاؤں گا۔ اس مقام پر ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے، اس کا جواب دیتا چلوں کہ جب اٹھارہ ہزار عالم میں سب کچھ آگیا، گویا اس میں مومن بھی آگئے اور منافق بھی، مسلمان بھی آگئے اور کافر بھی، مواحد بھی آگئے اور مشرک بھی اور اس میں چرند، پرند، درند بمع سب غلاظتوں کے آگئے، نعوذباللہ۔ تو کیا یہ سب چیزیں حضور ﷺ کے دامنِ اقدس میں تھیں؟

اب مَیں اس شبہ کا ازالہ کردوں کہ جو چیز لطیف ہو اس میں نجاست یا غلاظت نہیں ہوا کرتی، اور جو لطافت کے درجہ سے گر جاتی ہے تو اس میں نجاست آجاتی ہے۔ مثال دیتا ہوں! آپ نے کئی مرتبہ مرغی کے انڈے کھائے ہوں گے، ہم ان انڈوں سے مرغی کے بچے حاصل کرسکتے ہیں، اب مرغی کے ان بچوں میں پر بھی ہیں اور ٹانگیں بھی، گوشت بھی ہے اور ہڈیاں بھی، چربی ہے اور خون بھی، سر بھی ہے اور چونچ بھی، آنکھیں بھی ہیں اور کان بھی۔ گویا یہ تمام چیزیں انڈے کے اندر موجود تھیں، اس کے باوجود ہم سالم انڈہ کھا گئے، ہمیں کوئی کراہت محسوس نہ ہوئی اور ہم نے کچھ تردد محسوس نہ کیا، بے دریغ، بے دھڑک ہم انڈہ کھا گئے۔ میں آپ کو یہ پہلے بتا چکا کہ جو چیز اندر نہ ہو وہ باہر نہیں آسکتی، تو پتہ چلا کہ تمام چیزیں یعنی پر، ہڈیاں، خون وغیرہ لطافت کے درجہ سے نیچے نہیں آئی تھیں، اس لیے ہم اس انڈے کو کھا گئے، یہ سب چیزیں پاک تھیں، کھانے کے قابل تھیں، جب یہ چیزیں لطافت کے درجے سے کثافت کے درجے میں آئیں تو ناپاک ہوگئیں۔ تو پتہ چلا کہ اٹھارہ ہزار عالم کی حقیقت جب تک دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے وابستہ رہی تو پاک رہی اور جب الگ ہوئی تو ناپاک ہوگئی۔ اب تمہاری لطیف حقیقتیں مصطفےٰ ﷺ کے دامن سے نکل گئی ہیں تم کثافت اور نجاست کے ڈھیر میں چلے گئے ہو، اگر تم ان کے دامن سے لپٹے رہتے تو کوئی حقیقت تمہیں ناپاک نہیں کرسکتی تھی، تم پاک ہی رہتے، تو اب پاک اور ناپاک کا فرق یہی رہا کہ جو دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے لپٹا رہا تو وہ پاک رہا اور جو الگ ہوا وہ ناپاک ہوا۔ معلوم ہوا کہ کائنات کی ساری حقیقتیں دامنِ محمدیت میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ یہ ناپاک چیزیں دامنِ محمدیت سے تعلق رکھتی ہیں، کیونکہ وہ تمام ناپاک چیزیں لطیف تھیں اور لطیف چیزیں لطافت کے مرتبہ میں ہوں تو وہ نجس نہیں ہوا کرتیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی دوبارہ پاک ہونا چاہے تو کیا ہوسکتا ہے؟ اگر ہم نجاستوں اور غلاظتوں میں لتھڑنے کے بعد پھر دامنِ مصطفےٰ ﷺ سے وابستہ ہوجائیں تو کیا پھر پاک ہوسکتے ہیں؟ تو اس کے لیے مَیں ایک مثال دیتا ہوں کہ لوگ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں اور اپنے پودوں کو کھاد بھی ڈالتے ہیں جو کہ

نجس ہوتی ہے اور پودوں کی غذا بنتی ہے، اگر پودا غلہ کا ہے تو کھاد غلہ بن جاتی ہے اگر سبزی کا ہے تو کھاد سبزی بن جاتی ہے اور ہم سب ان چیزوں کو مزے سے کھاتے ہیں، اگر آپ سے کوئی کہہ دے کہ یہ کھانا نجس ہے کیونکہ یہ کھاد کی تاثیر سے تیار ہوا ہے تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟ آپ یہی جواب دیں گے کہ جب ناپاک اور نجس چیز کسی پاک چیز میں پنہاں ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ "فاتبعونی" کہ میری اتباع کرو اگر پاک ہونا چاہتے ہو تو میرے دامن میں آجاؤ، یہیں سے تمہیں پاکی ملے گی، پہلے بھی یہیں پاکی تھی اور اب آخر میں بھی یہیں پاکی ہے اور آپ ﷺ ہم بے چاروں کی ناپاکی دور کرنے کے لیے ہیں، اس لیے قرآن نے فرمایا "یتلو علیھم ایٰۃ ویزکیھم" جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے۔ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴) اللہ اکبر

تمہارا تزکیہ کرنا تو انہیں ﷺ کا کام ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ لقد من اللہ علی المومنین (پ۴، آل عمران، آیت ۱۶۴) بے شک اللہ نے بڑا انعام کیا مومنین پر۔ "علی المومنین" میں مومنین جمع ہے، معلوم ہوا کہ ایک مومن سے لے کر قیامت تک کے مومن "المومنین" کے اندر شامل ہو گئے، کوئی فرد باقی نہیں رہا، خواہ وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہوں، پہلے ہوں، بعد میں ہوں، ماضی میں ہوں، حال میں ہوں یا مستقبل میں ہوں، کہیں ہوں وہ سب المومنین کے عموم میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو میں نے تم پر بڑا احسان کیا ہے، اور وہ احسان یہ ہے کہ وہ محبوب تمہیں عطا فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور وہ علم وحکمت تمہیں سکھاتا ہے اور وہ تمہیں پاک کرتا ہے۔

عزیزانِ محترم! وقت نہیں ہے کہ اس آیت پر تقریر کروں، میں فقط "یزکی" پر گفتگو کر کے بات کو آگے بڑھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "یزکیھم" میں جو ضمیر ہے وہ منصوب ہے اور "یزکیھم" میں اس ضمیر منصوب کا مرجع کون ہے؟ اس کا مرجع المومنین ہیں۔ تو یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ "المومنین" میں سارے مومن آگئے خواہ کسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہوں، ابتداء سے قیامت تک سب مومن آگئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا رسول سب مومنین کو پاک کرتا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ رسول ﷺ پاک کرنے والے ہیں اور مومن پاک ہونے والے ہیں تو جب تک پاک کرنے والا پاک ہونے والوں سے نہ ملے تو پاک ہونے والے پاک کیسے ہوں گے؟ دیکھیے میں مثال دیتا ہوں کہ یہ میرا کپڑا ناپاک ہو گیا ہے تو کیسے پاک ہوگا؟ اور کون سی چیز پاک کرے گی اور کیسے پاک ہوگا؟ تو یہ پانی سے پاک ہوگا، اگر ناپاک کپڑا یہاں ہو اور پانی وہاں تو کیا ناپاک کپڑا پاک ہوگا؟ ہرگز نہیں ہوگا، کپڑا جبھی پاک ہوگا جب کپڑا پانی کے قریب ہو جائے گا اور یہ ناپاک کپڑے اور پانی کا ملاپ ہو جائے گا، جب تک یہ پانی سے نہ ملے گا پاک نہیں ہو سکتا۔ تو جب تک رسول اور مومن کا ملاپ نہ ہو مومن پاک ہو ہی نہیں سکتا،

یہ میں نہیں کہتا قرآن کہتا ہے ''النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم '' (پ ۲۱ سورۃ الاحزاب، آیت ٦) یہ نبی ایمان والوں کے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی تمہاری جانیں تو تم سے دور ہو سکتی ہیں مگر نبی تمہاری جانوں سے دور نہیں ہو سکتے۔ ''النبی اولیٰ بالمومنین'' میں ''اولیٰ'' کے معنی تین ہیں۔

(۱) اولیٰ بمعنی اقرب (سب سے زیادہ قریب)

(۲) اولیٰ بمعنی بالتصرف (سب سے زیادہ تصرف والا)

(۳) اولیٰ بمعنی احب (سب سے زیادہ پیارا)

(۱) اولیٰ کے جتنے معنی دنیا میں ہو سکتے ہیں وہ تمام معنی ان تین معنوں میں آسکتے ہیں اور ان تین معنوں کا مفہوم اس ایک لفظ اقرب میں آجاتا ہے، گویا اقرب کے اندر سب معنی آگئے۔

(۲) اولیٰ بالتصرف کون ہوتا ہے؟ یعنی تصرف کا سب سے زیادہ حق دار کون ہوتا ہے؟ تصرف کا سب سے زیادہ حق دار وہی ہوتا ہے جو قرابت میں سب سے زیادہ قربت والا ہو۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایک نابالغ بچی ہے کہ اس کا باپ بھی زندہ ہے اور دادا بھی۔ ''ولی'' تو دونوں ہیں، لیکن اولیٰ بالتصرف باپ ہے نہ کہ دادا، کیونکہ دادا کا رشتہ باپ کے مقابلے میں دور کا ہے، معلوم ہوا کہ جو اقرب ہوتا ہے وہی اولیٰ بالتصرف ہوتا ہے۔

(۳) اسی طرح اولیٰ احب کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور احب کے معنی زیادہ محبوب کے ہیں، محبت کے لیے ظاہری فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، محبوب وہی ہوتا ہے جو دل و جان سے زیادہ قریب ہو، اگر دل میں محبت نہ ہو تو زندگی ساتھ گزار دیجیے' فاصلے ختم نہیں ہوتے اور اگر محبت کا جذبہ پیدا ہو جائے تو ایک لمحہ ملاپ کا ساری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے، محبت تو کہتے ہی قربت کو ہیں۔

دور ہو کر قریب ہوتے ہیں
فاصلے بھی عجیب ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں (پ ۲۱، الاحزاب، آیت ۲۱) گویا نبی محترم ایمان والوں کے ساتھ اتنے قریب ہیں، اتنے قریب ہیں کہ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں، میرا ایمان ہے کہ میری جان مجھ سے دور ہو سکتی ہے مگر مصطفیٰ ﷺ مجھ سے دور نہیں ہیں۔

ایک شبہ

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ بھائی! وہ قریب ہیں تو کہاں ہیں؟ نظر نہیں آتے، ہم اُن کی بات نہیں سن سکتے، اُن سے ہم کلام نہیں ہو سکتے۔

شبہ کا ازالہ

اے خدا کے بندے! مصطفےٰ ﷺ کو دیکھنے کے لیے آنکھ چاہیے، ہر آنکھ اُن کے دیدار کی تاب کہاں رکھ سکتی ہے اور پھر سب کو محبوب دکھائے بھی نہیں جاتے۔ مَیں کہتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور اللہ ہیں، نور اللہ ہیں، نور اللہ ہیں اور یہ بات ذہن میں رکھیے کہ نور کو نور کے بغیر دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ دیکھو بھائی! سورج کی روشنی وہ نور ہے کہ جس آنکھ میں نور نہ ہو وہ سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر ایک اندھے کو پکڑ کر کہیں کہ تو سورج کی روشنی کو دیکھ، وہ بے چارہ کچھ نہیں دیکھ سکے گا، وہ معذور ہے کیونکہ وہ نور اس کی آنکھ میں ہے ہی نہیں جس کی مدد سے وہ سورج کی روشنی کو دیکھ سکے۔ تو پتہ یہ چلا کہ نور کو دیکھنے کے لیے نور ہی کی ضرورت ہوتی ہے، نابینا کی آنکھ میں نور ہی نہیں ہے تو وہ آفتاب کی روشنی کیا دیکھ سکے گا، وہ بے چارہ محروم ہی رہے گا۔

تو اب معلوم ہوا کہ اگر تمہیں رسول اکرم ﷺ نظر نہیں آتے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نور نہیں ہیں بلکہ تم خود بے نور ہو۔ اگر نابینا کو سورج کی روشنی نظر نہ آئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سورج روشن نہیں ہے، بلکہ یوں کہو کہ نابینا کے اندر بینائی نہیں ہے۔ میرے آقا ﷺ اگر کسی کو نظر نہ آئیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ موجود نہیں ہیں یا نور نہیں ہیں بلکہ یہ کہو کہ دیکھنے والے کو وہ نور میسر نہیں جو ان کا دیدار کر سکے کیونکہ نور کے بغیر نور کا ادراک نہیں ہوا کرتا۔

عزیزانِ محترم! فرشتوں کے نور ہونے میں تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے، مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ خلقت الملئکۃ من نور (فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے) حالانکہ تمہارے دائیں بائیں آگے پیچھے نورانی فرشتے موجود ہیں۔ اگر تم ذرا سی بتی جلا دو تو پورا کمرہ روشن ہو جاتا ہے اور تم سب کچھ دیکھ لیتے ہو، مگر تمہارے اردگرد فرشتے ہیں تمہیں تب بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ ارے اللہ کے فرشتے تو نور ہیں مگر تمہارے اندر ان کے نور کو دیکھنے کے لیے نور نہیں ہے۔ میرے آقا ﷺ کے نور کا انکار کرنا دراصل حضور کے نور کا انکار کرنا نہیں بلکہ اپنی بے نوری کا اقرار ہے۔

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے
آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشا دیکھے

آنکھ والے نے جمالِ مصطفےٰ کو دیکھا، اب اگر واقعات آپ کے سامنے لاؤں تو سنتے سنتے تھک جائیں گے مگر میں کہتے کہتے نہیں تھکوں گا، مگر کیا کروں اتنا وقت کہاں سے لاؤں، حدیث کے حوالہ سے مختصر سی بات آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کے ساتھ طواف کعبہ فرما رہے

تھے، حضور ﷺ نے سات چکر پورے کیے، آپ زم زم نوش فرمایا پھر مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہوگئے جیسے آپ کسی کا انتظار فرمارہے ہیں، صحابہ بھی طواف کعبہ کررہے ہیں، انہوں نے ایک اجنبی شخص کو دیکھا جو طواف کعبہ فرمارہا تھا، چنانچہ وہ مقامِ ابراہیم پر حضور ﷺ سے ملے، سلام کیا، مصافحہ کیا اور چل دیئے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون تھے؟ سرکار نے فرمایا کیا تم نے ان کو دیکھا؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں ہم نے ان کو دیکھا، سرکار نے فرمایا! یہ عیسیٰ بن مریم مجھے سلام کرنے آئے تھے۔ ابن عدی نے اس حدیث کو روایت کیا اور انس بن مالک اس حدیث کے راوی ہیں، اس وقت تو یہ کتاب میرے پاس موجود نہیں ہے، لیکن تفسیر روح البیان تمہارے پاس ضرور ہوگی جو علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، یہ حدیث تفسیر روح البیان میں بھی آئی ہے، آپ یہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ہیں اور آپ آسمان سے قربِ قیامت میں اتریں گے، یہ تمام باتیں احادیث سے ثابت ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے نہیں آئے تھے، لیکن اس وقت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر موجود تھے، وہ اس لیے کہ ابھی آپ کے نزول کا وقت نہیں آیا، گویا آپ آسمان پر موجود تھے اور آسمانوں ہی سے آئے تھے، تو پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر بھی موجود ہیں اور زمین پر بھی موجود ہیں، تو اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر اور زمین پر ایک ہی وقت میں موجود ہوسکتے ہیں، تو کیا میرے آقا مومن کے دل میں اور باہر موجود نہیں ہوسکتے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کعبہ کا بھی طواف کررہے ہیں اور پھر اسی وقت آسمانوں پر بھی جلوہ گر ہیں۔ اور پھر قلبِ مومن وہ کعبہ ہے کہ "دل بدست آور کہ حجِ اکبر است" اس لیے میرے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قلبِ مومن کے اندر جلوہ گر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم، یہ نبی ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں، گویا نبی محترم ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ ایمان والو! تمہاری جانیں تم سے دور ہوسکتی ہیں مگر مصطفیٰ ﷺ تم سے دور نہیں ہوسکتے، دور ہونا ان کی شان ہی نہیں، اگر ہم دور ہوجائیں تو یہ ہماری بدبختی اور بدنصیبی ہے۔

ایک شبہ

آپ دل میں سوچیں گے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم دور ہوجائیں اور حضور ﷺ ہم سے دور نہ ہوں؟

شبہ کا ازالہ

گرمیوں کے زمانہ میں جب کہ سورج اپنی تمازت کے ساتھ تمام چیزوں کو گرم کررہا ہوتا ہے تو اس وقت آپ نے شامیانہ لگایا اور اس کے نیچے بیٹھ گئے، تو سورج کی دھوپ جو کہ سورج کا غیر نہیں ہے، آپ پر نہیں پڑرہی ہے کیونکہ آپ شامیانہ کا حجاب لگا کر خود سورج کی ضیا سے دور ہوگئے ہیں، گویا ہم حجاب کی

وجہ سے دور ہو گئے، گناہوں کے، غفلت کے، معصیت کے اور بشریت کے تقاضوں کے حجابات ہمارے اور رسول ﷺ کے درمیان حائل ہو گئے، حضور ﷺ تو ہم سے جدا نہیں ہیں، ہم یہ حجابات ڈال کر خود حضور ﷺ سے جدا ہو گئے ہیں۔

شبہ

کسی صاحب نے کہا کہ نبیوں کو شہیدوں اور ولیوں کو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ قرار کیوں دیتے ہو؟ ایسا کرنا تو گویا خدا کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا ہے۔ یہ تو تم نے خدا کی توہین کردی، کیونکہ خدا تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ونحن اقرب الیه من حبل الورید "اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وسیلہ تو صرف اس چیز تک پہنچنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جو دور ہو، جیسے چھت پر پہنچنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ ہم چھت سے دور ہیں اور چھت ہم سے دور ہے، بغیر سیڑھی کے ہم چھت کے قریب نہیں جاسکتے۔

شبہ کا ازالہ

میں نے کہا کہ خدا کو کون دور کہتا ہے؟ خدا تو دور نہیں ہے، لیکن ایک بات مَیں نے اور بھی کہہ دی کہ جو قریب ہوگا وہ قریب کی آواز سنے گا یا دور کی؟ وہ قریب ہی کی آواز سنے گا، دور کی آواز تو وہی سنتا ہے جو دور ہو۔ تو پھر تمہارا کہنا کہ "دور کی آواز تو خدا ہی سنتا ہے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا دور ہے جو دور کی آواز سنتا ہے، تو یہاں تم "نحن اقرب الیه من حبل الورید " کیوں بھول گئے؟ خدا تو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، وہ تو دور ہے ہی نہیں، تو پھر تم دور کی آواز کس کو سنا رہے ہو، گویا تمہیں خدا کا قریب ہونا اس وقت یاد آتا ہے جب اللہ کے محبوب اور مقبول بندوں کی عظمت اور ان کے وسیلہ بننے کا بیان ہوتا ہے اور جب اللہ والوں کی سماعت کا ذکر ہوتا ہے کہ وہ دور سے بھی اپنے چاہنے والوں، ارادت مندوں کی پکار سن لیتے ہیں تو پھر تم اللہ کو دور لے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ دور سے سننا یہ اللہ کی شان ہے۔ پتہ چلا کہ تمہیں اللہ کے قریب یا دور ہونے سے نہیں، اللہ والوں کی عظمت و شان کے انکار سے غرض ہے۔ تو مَیں نے تمہیں بتایا کہ خدا تو ہم سے دور نہیں ہے لیکن ہم خدا سے دور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم خدا کی بارگاہ میں رسائی کے لیے وسیلہ پکڑتے ہیں۔ یہ مَیں نہیں کہتا خدا خود کہتا ہے، "یایھا الذین امنو ا اتقوا اللہ وابتغو الیه الوسیلة " اے ایمان والو تقویٰ اختیار کرو اور وسیلہ ڈھونڈو۔ اور مجھے بخاری شریف کی حدیث بھی یاد آرہی ہے کہ اے میرے صحابہ تمہیں اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے، بارانِ رحمت دیتا ہے، دشمنوں پر فتح عطا فرماتا ہے۔ سرکار نے یہ تین باتیں فرمائیں، فرمایا ھل تنصرون وھل ترزقون الا بضعفا ئکم کہ تم کو بارانِ رحمت اور فتح اور روزی نہیں ملتی مگر اپنے ناچار اور غریبوں کے سبب سے، انہیں کے وسیلہ سے، انہیں کے

صدقہ سے رزق، بارانِ رحمت اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ اے مدینہ کے رہنے والو! اہل صفہ کو ذہن میں لاؤ جن پر منافقین آوازے کسا کرتے تھے۔ سرکار نے فرمایا! تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لیے بارش ہوتی ہے، ہمارے لیے رزق آتا ہے، ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آتی ہیں، نہیں نہیں بلکہ انہیں کے لیے سب کچھ آتا ہے اور انہیں کے صدقہ میں تم کو بھی مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی ہوائیں اپنے محبوبوں اور ولیوں کے لیے بھیجی ہیں اور جو ان کے قریب ہیں ان پر بھی وہی رحمت کی ہوائیں پہنچ جاتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کھیتی باڑی ہوتی ہے تو آپ ان پودوں کو پانی دیتے ہیں جو پودے آپ اُگاتے ہیں، خواہ وہ سبزیاں ہوں یا غلہ، پھل دار درخت ہوں یا غیر پھل دار مگر پانی خود رو پودوں کو بھی مل جاتا ہے۔ یہ حضرات اصل مقصد کائنات ہیں، اس لیے فرمایا "بحق هل تنصرون وهل ترزقون وهل ترحمون الا بضعفائكم" ارے انہیں کے صدقہ میں تمہیں سب کچھ ملتا ہے۔ وما علينا الا البلاغ المبين

OOOOOO

بقیہ: دعوت وارشاد کے قرآنی اصول

"اور صبر کرو اور تمہارا صبر خدا ہی کی توفیق سے ہے اور تم ان پر غم نہ کرو اور ان کی تدبیروں سے دل تنگ نہ ہوں۔"

احسان و تقویٰ: علامہ اقبال کا بڑا خوبصورت شعر ہے۔

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے ☆ پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

تقویٰ اُس نور بصیرت کو کہا جاتا ہے جس کے سبب آدمی نیکی سے محبت کرتا ہے اور بدی سے نفرت۔ اگر یہ دولتِ گرانمایہ نصیب نہ ہو تو اوّل تو دعوت کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بالفرض اس کے بغیر کوئی بندہ دعوت کے کام میں لگ بھی جائے تو اس خلوص اور للہیت کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ جو دعوت کو ایک رسم سے نکال کر حقیقت کا روپ پہناتی ہے۔ صاحب تقویٰ کی بات ہی دلوں میں انقلاب برپا کرتی ہے۔ اور اللہ کی مدد اسی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس لیے داعی پر یہ بات واضح کردی گئی:

ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون

"بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اور احسان کے راستوں پر گامزن ہوتے ہیں"

دعوت وارشاد کے یہی خدائی اصول ہیں اگر انھیں اپنا لیا جائے تو دعوت دلوں کی کایا پلٹ دیتی ہے اور امت مسلمہ اگر دعوت کی مکلف ہے اور یقیناً ہے تو ان سنہری اصولوں کو اپنانے کی بھی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت وارشاد کی ان روشن شاہراہوں پر گامزن فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

AAAAAA

مقامِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطاب: علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
مقام: خانیوال شہر (پاکستان)
ترتیب: محمد اسلم الوری، حواشی: محمد صدیق قاآنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم حضرات! میں اتنی بار خانیوال آیا لیکن آپ بتایئے کہ مَیں نے آج تک شوکانی کے بارے میں کچھ کہا؟ کبھی مَیں نے نواب صدیق حسن بھوپالی کے متعلق کچھ ذکر کیا؟ یا کبھی مَیں نے کسی اہل حدیث عالم کا نام اپنی گفتگو میں لیا؟ لیکن آج مجھے نہایت دُکھ ہوا اور میرا دل بہت زخمی ہوا جب مَیں نے سُنا کہ خانیوال کی سرزمین پر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا گیا، اُن کی توہین کی گئی اور اُن کے حق میں نازیبا کلمات کہے گئے۔ مجھے یہ سب جان کر نہایت دکھ پہنچا اور میرا دل بہت زخمی ہوا، لیکن اس سب کے باوجود بھی میں صبر کروں گا اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ میں گالی کا جواب گالی سے نہیں دوں گا اور میں دریدہ دہنی کا جواب دریدہ دہنی سے نہیں دوں گا بلکہ میں برائی کو اچھائی سے رفع کروں گا۔

محترم حضرات! مَیں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون [1]

(ترجمہ) ''آپ فرما دیجیے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے'' [2]

یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ و بارک وسلم آپ ارشاد فرمادیں کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے؟ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے، کیونکہ علم والوں کی شان تو یہ ہے کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا [3]

(ترجمہ) ''اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں'' [4]

یعنی اللہ کا خوف اور اللہ کی خشیت دل میں رکھنے والے اگر ہیں تو فقط علما ہیں اور یاد رکھیے وہ کیسے علما ہیں؟ ہم جیسے نہیں۔ استغفر اللہ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔ ہم جیسے لوگوں نے تو آج علم کا نام بدنام کردیا۔

میرے دوستو اور عزیزو! یہاں علما سے مراد ایسے علما ہیں جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا حسن بصری، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، اور مجھے کہنے دیجیے کہ علما سے مراد ہم جیسے لوگ

نہیں بلکہ علما سے مراد وہ مقدسین اور طیبین و طاہرین ہیں جنہوں نے علم کے چشمے جاری کر دیئے، ان میں سیدنا عبداللہ بن مسعود ہیں، علقمہ بن قیس اور ان کے شاگرد حضرت ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم نخعی کے شاگرد سیدنا حماد ہیں اور حضرت حماد کے شاگرد امام ابوحنیفہ ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اے عبداللہ بن مسعود کروڑوں سلام ہوں آپ پر، آپ نے جو علم حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیا اس کا تصور بھی ہمارے ذہن میں نہیں آسکتا اور یہ وہ علم تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا، اس علم سے آپ نے حضرت علقمہ کا سینہ روشن کر دیا۔ اور اے علقمہ! آپ پر کروڑوں سلام ہوں کہ آپ نے اس علم سے ابراہیم نخعی کے سینے کو منور کر دیا اور اے ابراہیم نخعی کروڑوں سلام ہوں آپ پر آپ نے حضرت حماد کے سینے کو علم کا خزینہ بنا دیا اور اے حماد کروڑوں سلام ہوں آپ پر کہ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ کو اپنی مسند علم پر بٹھا دیا۔ میرے دوستو یہ ہیں وہ اہل علم جن کے لیے قرآن نے کہا انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰؤا۔

اے امام ابوحنیفہ کو ضعیف السند۵ کہنے والو! میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج تمہیں کتنا ہی فخر کیوں نہ ہو اپنی محدثیت پر لیکن تم امام ابوحنیفہ کے دربانوں کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکتے، کیونکہ امام ابوحنیفہ تو ایسے قوی السند تھے کہ دنیا تو سند حدیث میں ضبط کتاب پر اعتماد کرتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک ضبط حافظہ سے کوئی حدیث روایت نہ کرے ہم اعتبار نہ کریں گے۔۶

ارے تم نے انہیں اہل الرائے کہہ کر ان پر طعن کیا، مگر میں تو رائے کو برا نہیں سمجھتا، میں تو اس رائے کو برا سمجھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مقابل ہو، ایسی رائے یقیناً مذموم ہے کیونکہ وہ سیدھا دوزخ کا راستہ ہے، لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی وہ رائے نہ تھی، بلکہ امام ابوحنیفہ کی رائے وہ تھی جو جنت کا راستہ دکھاتی، توحید کی راہیں روشن کرتی اور بارگاہ رسالت کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ جو امام ابوحنیفہ پر اس لیے طعن کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی رائے سے کیوں کہا، تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجتہد۷ کو اپنی رائے سے کہنے کا حق ہے۔ اگر امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کی بنا پر تم انہیں اہل الرائے کہتے ہو اور اس اجتہاد پر انہیں مطعون کرتے ہو تو پھر تمہارا یہ طعن تو نعوذ باللہ بارگاہ رسالت تک پہنچے گا، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اجتہاد فرمایا تھا۸ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آپ تو وہ مقدس ہستی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ بارگاہ نبوت کی اداؤں کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا، چنانچہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہ فرماتے تو اجتہاد کے جواز کی دلیل کہاں سے آتی؟ معلوم ہوا مجتہدین کے اجتہاد کے لیے دلیل فراہم کرنے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود اجتہاد فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی اجتہاد کے مواقع فراہم کیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ کی جانب بھیجا اور ارشاد فرمایا "**لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظہ**" [9] یعنی تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر۔ اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے کہ "تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے"۔ [10]

اب دیکھیے کہ ظہر عصر کا مغایر ہے کہ نہیں ہے؟ اگر کوئی عصر کی نیت کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ہوگی؟ ہر گز نہیں ہوگی، کیونکہ عصر اور ہے اور ظہر اور ہے۔ اب بنو قریظہ کی جانب جس جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بخاری میں ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر، اور مسلم میں ہیں کہ تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حدیثوں میں تغایر ہے اور حدیثوں میں یہ اختلاف ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

اب امام ابو حنیفہ پر الزام لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ بتاؤ جو جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کی جانب بھیجی اس جماعت کو آپ نے ظہر کی نماز کے بارے میں فرمایا یا عصر کی نماز کے متعلق؟ بتاؤ ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے کرو گے؟ کیا رائے کے بغیر کام چلے گا؟ ہر گز نہیں، رائے کے بغیر یقیناً کام نہیں چلے گا، کیونکہ تم رائے کے بغیر دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں کر سکتے، زیادہ سے زیادہ محدثین کے حوالے سے یہ کہو گے کہ دونوں حدیثیں تعدّدِ واقعہ پر محمول ہیں، یعنی ایک جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے بھیجا اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، اور دوسری جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا! تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ تعددِ واقعہ پر کوئی دلیل لاؤ اور کوئی ایسی حدیث بھی پیش کرو، جس سے ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ظہر سے پہلے بھیجا اور دوسری جماعت کو ظہر کے بعد بھیجا ہو، لیکن دس ہزار مرتبہ بھی تم مر کر زندہ ہو جاؤ تو تعدد واقعہ پر تم حدیث نہیں لا سکتے۔ معلوم ہوا کہ محدثین نے نماز عصر کی یہ توجیہ اپنی رائے سے کی ہے اور رائے کو ہم مانتے ہیں تم نہیں مانتے، اگر تم پاؤں چھپاتے ہو تو سر کھلتا ہے اور سر چھپاتے ہو تو پاؤں کھلتے ہیں۔

اب یہ ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی وقت اتنا تھوڑا رہ گیا کہ اگر بنو قریظہ پہنچتے ہیں تو عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حکم یہ ہے کہ لایصلین احد العصر الا فی بنی قریظہ یعنی تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن اس صورت میں تو نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اگر نماز پہلے ادا کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی حکم عدولی ہوتی ہے۔

اب اس اختلاف کی صورت میں بعض صحابہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتباً موقوتا [۱۱] "بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے" [۱۲]۔ نماز فرض مؤقت ہے لہٰذا وقت سے مفر نہیں کیا جائے گا اور ہم ابھی نماز عصر ادا کریں گے تاکہ نماز وقت پر ادا ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنی جلدی چلنا کہ نماز عصر بنو قریظہ جا کر ادا کرو، اب اتنی جلدی نہیں چلے تو یہ ہماری غلطی ہے چنانچہ ہم نماز ادا کر لیتے ہیں، اس لیے ایک جماعت نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا کی، مگر کچھ صحابہ نے کہا کہ قضا اور ادا تو ہم جانتے نہیں ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کریں گے کہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچے بغیر نہیں پڑھیں گے۔ اب صحابہ کی دونوں جماعتوں میں اختلاف ہوگیا، کیوں کہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور جب یہ دونوں جماعتیں یعنی اپنی رائے سے کام لینے والی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچیں تو حدیث آتا ہے کہ فلم یعنف واحد منهم [۱۳] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی جماعت سے اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔

مجھ سے درسِ حدیث میں کسی طالب علم نے سوال کیا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضگی کسی جماعت کے لیے نہیں فرمایا لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ فلاں جماعت صواب پر تھی اور فلاں خطا پر؟

میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میری اُمت میں قیامت تک اجتہاد کا سلسلہ جاری رہے گا اور لوگ قیامت تک مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کرتے رہیں گے اور ان کے اس اجتہاد کی خطا ظاہر نہیں ہوگی، اس لیے آپ نے پردہ پوشی فرمائی تاکہ دونوں جماعتوں کو ان کا ثواب ملتا رہے۔ اب اللہ بھی اجتہاد کرنے پر ان سے ناراض نہیں اور نہ رسول ان سے ناراض ہیں، اگر کوئی ناراض ہوتا پھرے تو ہوا کرے۔

حدیث پڑھنے والوں سے پوچھو! سندِ حدیث اور خصوصاً حدیث کے بارے میں امام بخاری اور امام مسلم کی آراء میں اختلاف ہے، امام مسلم کہتے ہیں کہ راوی کا، مروی عنہ کا معاصر ہونا کافی ہے ہم اس حدیث کو قبول کرلیں گے، خواہ راوی کا مروی عنہ سے لقا (ملاقات) ثابت ہو یا نہ ہو۔ اور امام بخاری کہتے ہیں کہ اگر راوی، مروی عنہ کا ہم عصر ہے تو ہم ہرگز اس کی حدیث کو قبول نہیں کریں گے اور اس کو انقطاع پر محمول کریں گے جب تک راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہ ہو۔ [۱۴] اب بتاؤ کہ امام مسلم کی رائے اور ہے اور امام بخاری کی رائے اور، لیکن اس معاملہ میں نہ حدیث ان کے پاس ہے اور نہ ان کے پاس، تو یہ دونوں اصحاب رائے ہوئے کہ نہیں؟

اسی طرح اصول حدیث کے علما سے پوچھو کیا حدیث مجرد (ایسی حدیث جس کے سلسلہ رواۃ کو ذکر

نہ کیا گیا ہو) کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے؟ حدیث مجرد ضعیف ہے کہ نہیں؟ اور میں خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ بخاری میں کتنی حدیثیں مجرد ہیں، لیکن چونکہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ صحیح ہیں اس لیے تم نے ان کی صحت پر صاد کر دیا۔ امام بخاری کی رائے تمہارے نزدیک صحیح ہے لیکن امام ابو حنیفہ کی رائے تمہارے نزدیک قابل قبول نہیں، یہ ہے سوچ کا مقام۔

پھر میں کہتا ہوں کہ ابی اسحق سے زہیر کی روایت کو امام بخاری نے صحیح مان کر اپنی جامع میں شامل فرمایا اور امام ترمذی نے اسے قبول نہیں کیا ۱۵ اور فرمایا کہ زہیر کا ابی اسحق سے سماع بوجہ علت خفیہ آخری عمر میں ہے، اس کے برعکس ابی اسحق سے اسرائیل کی روایت کو قبول فرماتے ہیں۔ دونوں کی رائیں مختلف ہوگئیں۔

میں حیران ہوں کہ امام ابو حنیفہ کی وہ حدیثیں جو متفق الاسانید ہیں اگر تمہارے سامنے پیش کی جائیں تو تم اس پر ضعف کا الزام لگا کر رد کر دیتے ہو، اور اگر امام ترمذی منقطع اور مراسیل سے استدلال کریں تو تم خاموش بیٹھے رہتے ہو، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

سن لو! میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام بخاری کی بہت سی آراء امام مسلم کے خلاف ہیں اور امام مسلم کی بہت سی آراء امام بخاری کے خلاف ہیں۔ مقدمہ ابن صلاح اٹھا کر دیکھو ۱۶ وہاں ان کی عبارت میں کتنی شدت پائی جاتی ہے امام بخاری کے متعلق، لیکن میں امام بخاری اور امام مسلم دونوں کا احترام کرتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اور ان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی عظمتوں کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور اے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ آپ کی بارگاہ میں بھی ہماری عقیدتیں سرنگوں ہیں، لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا یہ تمام محدثین سرنگوں ہیں بارگاہ امام ابوحنیفہ میں، رضی اللہ عنہم۔ کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم کو اگر تم مجتہد بھی قرار دو گے تو سوائے علم حدیث کے ان کا اجتہاد کسی اور مقام پر نہیں سجے گا۔ اے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں کہ آپ نے اجتہاد فرما کر ہدایت کی راہوں کو روشن کر دیا، کیوں کہ آپ تو تفسیر میں بھی مجتہد ہیں، آپ تو کلام میں بھی مجتہد ہیں، آپ تمام علوم دینیہ میں مجتہد ہیں، آپ علی الاطلاق مجتہد ہیں ۱۷۔ اب بتاؤ جو ایک علم میں مجتہد ہو اس کی رائے کو تو مجتہد کی رائے کہہ کر تسلیم کرتے ہو اور جو مجتہد مطلق ہو اس کے اجتہاد کو غلط کہہ کر طعن کرتے ہو۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے۔

ارے امام ابوحنیفہ پر طعن کرنے والو! تم توحیدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، میں تم سے اگر خدا کے واحد ہونے کا معنی پوچھ لوں تو تم نہیں بتا سکتے، تم کیا جانو کہ توحید کیا ہے؟ دیکھیے قرآن نے کہا الھکم الله واحد ۱۸ یعنی تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے، اب تم بتاؤ اللہ کو واحد مانتے ہو یا نہیں مانتے؟ اور واحد کے معنی ہیں ایک، لیکن "ایک" بھی تو لفظ ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ چنانچہ لفظ واحد پر علما نے بحث کی اور

انہوں نے کہا کہ واحد کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں ایک ہے ''واحد عددی'' ایک ہے ''واحد جنسی'' اور ایک ہے ''واحد نوعی''۔

ا۔واحد عددی کا معنی ہے'' الواحد نصف الاثنین'' یعنی دو کا آدھا ایک ہوتا ہے(ہاتھ کے اشارے فرمایا) یہ دو ہیں ان دو کا آدھا ایک ہوتا ہے۔اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ الھکم الہ واحد کا کیا معنی کرو گے؟ دو خداؤں کا آدھا؟ تو پہلے دو خدا مانو پھر اس کا آدھا مانو تو پھر ایک کہو۔اب ہے کوئی دو خداؤں کو ماننے والا؟

۲۔واحد جنسی کا معنی ہے کہ جس کی جہت وحدت جنس ہو، جیسے میں کہوں الحیوان واحد یعنی حیوان ایک ہے خواہ وہ گدھا ہو یا گھوڑا، بکرا ہو کہ ہاتھی، کیونکہ حیوانیت جنس ہے اور وہ سب میں مشترک ہے، مگر جنس تو فصل کے بغیر ہوتی نہیں اور جہاں جنس ہوتی ہے وہاں فصل بھی ضرور ہوگی۔اب بتاؤ خدا کو کیا کہو گے؟ کیا خدا کی کوئی جنس ہے؟ اگر جنس نہیں ہے تو پھر واحد جنسی کیسے کہو گے؟ خدا تعالیٰ چونکہ جنس سے پاک ہے اس لیے خدا کو واحد جنسی بھی نہیں کہہ سکتے۔

۳۔واحد نوعی واحد کی تیسری قسم ہے یعنی ایسا واحد کہ جس کی وحدت مستفاد ہو جہت نوع سے، جیسے الانسان واحد یعنی انسان ایک ہے،خواہ کہیں کا رہنے والا ہو،مغرب کا ہو یا مشرق کا، نیک ہو یا بد کیونکہ انسان نوع ہے اور اس کی دو ذاتیات ہیں،''حیوان اور ناطق'' دونوں کو ملاؤ تو انسان بنتا ہے۔اب نوع بنتی ہے جنس اور فصل کو ملا کر،مگر جنس اور فصل جہاں ملے گی وہاں ترکیب ہوگی اور جہاں ترکیب ہوگی وہاں حدوث ہوگا۔اب بولو خدا حادث ہے یا قدیم ہے؟، یقیناً خدا قدیم ہے،لہٰذا خدا تعالیٰ واحد نوعی بھی نہیں ہو سکتا،کیونکہ وہ نوع سے پاک ہے۔

اب بتاؤ!الھکم الہ واحد کے کیا معنی کرو گے؟ وہ خدا ایک ہے،مگر کیسا ایک ہے؟ وہ عدد کے اعتبار سے ایک ہے؟ جنس کے اعتبار سے ایک ہے؟ یا وہ نوع کے اعتبار سے ایک ہے؟ ارے نہیں بتا سکتے۔

یہاں پھر تمہیں چوتھی بات کہنی پڑے گی اور وہ رائے سے کہنی پڑے گی، اور کہنے والوں نے کہا کہ الھکم الہ واحد ،تمہارا الہ تو الٰہ واحد ہے،اس میں واحد کا لفظ حق ہے اور اس کے معنی بھی حق ہیں، مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دو کا آدھا ایک ہے یا اس کی جنس ایک ہے یا اس کی نوع ایک ہے، بلکہ اس واحد سے مراد ایسا واحد ہے جس کی جہتِ وحدت عین ذات ہو اور وہ ازلاً ابداً بتقاضائے ذات ایک ہو، جس کا ایک ہونا ازلاً ابداً اور وجوباً ہو اور وہ کسی مرجح کی ترجیح کا محتاج نہ ہو۔

اب بتاؤ! واحد کا یہ معنی تم کہاں سے لاؤ گے؟ کوئی قرآن کی آیت پڑھو کہ واحد کے یہ معنی ہوں یا کوئی حدیث لاؤ جس میں واحد کے یہ معنی درج ہوں۔اللہ اکبر! پتہ چلا کہ تم تو توحید کے مسئلہ میں بھی

رائے کے بغیر زبان نہیں کھول سکتے۔

ارے تم امام ابو حنیفہ کو اہل الرائے کہتے ہو، میں کہتا ہوں کہ یہ رائے تو اجتہاد ہے اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم نے اجتہاد فرمایا، اور اسی لیے فرمایا کہ اجتہاد کے جواز پر دلیل قائم ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ مجتہد کا اجتہاد عین دین ہے، کیونکہ مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا اس کے لیے اصل ہے، اور اسی لیے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کا موقع فراہم کیا۔ اگر اجتہاد نہ ہو تو دین چل نہیں سکتا کہ ہزاروں مسائل ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ قرآن وحدیث میں بالوضاحت ان کا ذکر نہیں ہے، مثال کے طور پر ایک شخص نے بغیر چشمے کے ایک واقعہ دیکھا، دوسرے نے چشمہ لگا کر اور تیسرے نے دور بین لگا کر اسی واقعہ کو دیکھا، اب بتاؤ چشمہ کے بغیر دیکھنا، چشمہ لگا کر دیکھنا اور دور بین کی مدد سے دیکھنا تینوں کا حکم ایک ہے یا کوئی فرق ہے؟ کسی نے کسی چیز کو بالمشافہ دیکھا، کسی نے اسے عکس کی صورت میں دیکھا، کسی نے پانی میں عکس دیکھا اور کسی نے آئینہ میں عکس دیکھا، ایک نے بالواسطہ دیکھا اور دوسرے نے بلا واسطہ دیکھا۔ اب دیکھنا ان تمام میں مشترک ہے لیکن بتائیے ان سب کا حکم ایک ہے یا الگ الگ؟ اگر کہتے ہو کہ ان سب کا حکم ایک ہے، تو میں کہوں گا تم رائے سے کہتے ہو، اس کے لیے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل لاؤ۔ اسی طرح ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر تم کہتے ہو ہوگی تب بھی دلیل لاؤ اور اگر کہتے ہو نہیں ہوگی تب بھی دلیل دینا ہوگا، لیکن سن لو تم جو کچھ بھی کہو گے اپنی رائے سے کہو گے اور دس ہزار بار تم پر قیامت قائم ہو جائے تم اجتہاد کے بغیر دلیل نہیں لا سکتے اور اگر لاؤ گے تو امام ابو حنیفہ کے محتاج ہو کر رائے سے دلیل لاؤ گے۔

میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہر جگہ یہ کہتے پھرتے ہو کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تم کیوں کرتے ہو؟ یہ بدعت ہے۔ اسی طرح جس کام کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہ ہو تم کہتے ہو بدعت ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ احادیث نقل کرنے سے پہلے محدثین نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسے کس خانہ میں رکھو گے؟ مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں کوئی حدیث درج نہیں کی مگر پہلے میں نے غسل کیا اور دو رکعت نفل پڑھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ فتح الباری میں نقل کرتے ہیں قال البخاری ما کتبت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذلک وصلیت رکعتین ۱۹

اب پوچھنا چاہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس فعل پر کوئی دلیل لاؤ، کوئی حدیث پیش کرو جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جب میری کوئی حدیث نقل کرو تو دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو۔ اب بتاؤ حدیث درج کرنے کا یہ طریقہ کہیں قرآن میں آیا ہے؟ یا کسی حدیث میں آیا ہے؟

معلوم ہوا کہ حدیث درج کرنے کا یہ طریقہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رائے سے اختیار کیا، اور جس کام کے لیے قرآن و حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو تم کہتے ہو کہ بدعت ہے۔ اب بتاؤ کہ امام بخاری کا یہ عمل تم کس خانہ میں رکھو گے؟

لوگوں نے کہا کہ امام حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان الاعتدال" میں امام ابوحنیفہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ۲۰ اللہ اکبر! میں پوچھتا ہوں کیا امام ذہبی کی یہی ایک تصنیف ہے؟ ارے "تذکرۃ الحفاظ" کا مصنف بھی تو امام ذہبی ہے، اس تذکرۃ الحفاظ میں ذرا امام صاحب کا تذکرہ تو دیکھو، ۲۱ خدا کی قسم ایمان تازہ کردینے والا تذکرہ ہے اور پھر اسی تذکرہ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں تو میں ابوحنیفہ کے متعلق کچھ بھی نہ لکھ سکا، میں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں ایک مستقل رسالہ لکھ دیا ہے۔ ۲۲

حیرت ہے کہ پھر بھی یہ امام ذہبی پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام نسائی کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ ضعیف السند ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جس امام کا دعویٰ یہ ہو کہ ضبط صدر کے بغیر ہم کسی کی روایت قبول نہیں کریں گے، اس پر یہ الزام کہ وہ ضعیف السند تھے، کس قدر افسوس ناک ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ جو اہل حدیث نہ ہو وہ اہل سنت نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج تک مسلک کے اعتبار سے کسی کو اہل حدیث نہیں کہا گیا، اگر اہل حدیث کہا گیا ہے تو محض فن کے اعتبار سے کہا گیا ہے، جیسے علم اصول والوں کو اہل علم اصول کہا گیا، لکھنے والوں کو اہل قلم کہا گیا، منطق کا علم رکھنے والوں کو اہل منطق کہا گیا، اسی طرح فقط محدثین یعنی حدیث کا علم رکھنے والوں کو اہل حدیث کہا گیا، لیکن خدا کی قسم مسلک کے اعتبار سے آج تک کوئی اہل حدیث نہیں ہوا۔ جن کے بارے میں بھی اہل حدیث کہا گیا ہے وہ محض فن کے اعتبار سے اہل حدیث کہا گیا، کیونکہ اگر حدیث مسلک کی بنیاد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی ۲۳ نہ فرماتے بلکہ علیکم بحدیثی فرماتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا، تو پتہ چلا کہ مسلک کی بنیاد حدیث نہیں ہو سکتی بلکہ مسلک کی بنیاد سنت ہے۔

اور میں عرض کردوں کہ حدیث پر تم عمل نہیں کر سکتے کیونکہ حدیث مطلقاً قابل عمل نہیں ہے بلکہ سنت قابل عمل ہے۔ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہا وہ حدیث ہے، جو کیا وہ حدیث ہے، اور جو آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا وہ حدیث ہے، لیکن آپ حدیث کو اپنے عمل کی بنیاد قرار نہیں دے سکتے، کیونکہ حدیثوں میں تو اختلاف ہے، حدیثوں میں تعارض بھی ہے جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی، ان میں ناسخ و منسوخ بھی ہیں، اس لیے حدیث قابل عمل نہیں ہے بلکہ اگر عمل کرنا ہے تو سنت پر کریں گے کیونکہ سنت قابل عمل ہے، اگر کوئی عمل بالحدیث کا مدعی ہے تو میں بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتا

ہوں کوئی آئے اور اس پر عمل کر کے دکھائے، بخاری شریف کی حدیث ہے: کان یصلی و ھو حامل امامته بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ۲۴ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔ اب بتائیے بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی کو گود میں لیے نماز پڑھتے تھے۔ تو اب ذرا اس حدیث پر عمل کر کے دکھاؤ اور اپنی نواسیوں کو گود میں لے کر نماز پڑھا کرو، اور اگر اپنی نہ ہو تو کسی کی اٹھالاؤ کیوں کہ نواسی کے بغیر تو حدیث پر عمل نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت کے طور پر جو طور طریقے اپنائے کیا تم وہ طور طریقے اختیار کر سکتے ہو؟ یقیناً نہیں کر سکتے، تو معلوم ہوا کہ حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا بلکہ سنت پر عمل ہو سکتا ہے اور سنت وہ ہے جسے میرے آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلوک فی الدین قرار دیا یعنی دین پر چلنے کا راستہ بنا دیا ہو۔ اسی لیے آپ نے **علیکم بحدیثی** نہیں فرمایا بلکہ **علیکم بسنتی** فرمایا، لہٰذا ہم اہل حدیث نہیں ہیں بلکہ اہل سنت ہیں، اور میں بتادوں کہ دنیا میں دوثلث (تہائی) حنفی ہیں اور یہی سواد اعظم ہیں۔

اب سچ بتاؤ حضور تاجدار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت جس جانب ہوگی وہ حق ہوگا یا معمولی سی اقلیت حق پر ہوگی؟ اور اے آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی عظمتوں پر قربان جاؤں کہ آپ نے دین کو اتنا کامل اور روشن کر کے ہمارے سامنے رکھا اور فرمایا: ترکتکم علی الواضحه لیلها کنها رھا ۲۵ یعنی تمہیں ایسی راہ پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کا دن رات واضح ہے، تم آنکھیں بند کیے چلے آؤ مگر راہ نہ چھوٹے۔

انتہائی تھکان اور کمزوری کے باعث میری طبیعت انتہائی ناساز ہے اس لیے انہی کلمات پر اکتفاء کرتا ہوں ورنہ میں دلائل کا اتنا انبار لگا دیتا کہ آپ سن نہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راہ نہ چھوٹے جس پر تیرے نیک بندے گامزن ہیں۔ **وما علینا الا البلاغ المبین۔**

حواشی

☆ ۱۔ القرآن الکریم، پارہ ۲۳، سورۃ زمر، آیت ۹

☆ ۲۔ البیان ترجمۂ قرآن، از علامہ سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز ملتان

☆ ۳۔ القرآن الکریم، پارہ ۲۲، سورۃ فاطر، آیت ۲۸

☆ ۴۔ البیان ترجمۂ قرآن، از علامہ سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ ملتان

☆ ۵۔ جیسا کہ آج کل کے غیر مقلدین امام نسائی رضی اللہ عنہ اور امام بخاری رضی اللہ عنہ کے مندرجہ ذیل اقوال بیان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں قوی نہیں تھے (کتاب الضعفاء، امام نسائی) اور امام

بخاری کا قول کہ نعمان بن ثابت کوفی، روایت کی ان سے عباد بن عوام اور ابن مبارک اور ہشیم اور وکیع اور مسلم بن خالد اور ابو معاویہ اور مقری نے اور وہ مرجیہ تھے۔

ان عبارات کا جواب عمدۃ المحققین ابن ہمام رضی اللہ عنہ اور زبدۃ المحدثین علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور صاحب دراسات اللبیب وغیرہم نے اپنی اپنی جگہ پر شرح و بسط سے لکھ دیا ہے۔ تاہم مختصر جواب یہ ہے کہ امام نسائی کی جرح تو مبہم غیر مفسر ہے اس لیے وہ مقبول نہیں، باقی رہا امام بخاری کا وہ قول کہ وہ مرجیہ تھے، بالکل ساقط الاعتبار ہے کیونکہ حنفیہ کا عقیدہ مرجیہ کے بالکل بر خلاف ہے بلکہ وہ فرقہ مرجیہ کو ناری جان کر مرجیہ کے پیچھے نماز تک ناجائز سمجھتے ہیں، پس اگر امام ابوحنیفہ یا ان کے اصحاب کا ذرا بھی ارجاء کی طرف میلان ہوتا تو حنفیوں کا عقیدہ مرجیہ کے کبھی ایسا برخلاف نہ ہوتا۔ (حدائق الحنفیہ، از مولانا فقیر محمد جہلمی، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۰ھ، ص ۱۲۵)

☆ ٦۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲۱ھ) نے اپنی سند کے ساتھ امام ابو یوسف سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی شخص کو لائق نہیں ہے کہ کسی حدیث کی روایت کرے مگر اس وقت کہ جب وہ اس کو روز سماعت سے لے کر روایت کے دن تک بعینہٖ یاد رکھے۔ (حدائق الحنفیہ۔ ص ۱۶۱) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبول حدیث کی اہم شرائط یہ ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک کسی راوی کو اس کی بیان کردہ روایت کے سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک مکمل طور پر یاد نہ ہو، اس حدیث کو قبول نہ کیا جانا چاہیے۔

۲۔ آپ کا دوسرا اصول یہ تھا کہ اس حدیث کو صحابی (رضی اللہ عنہ) سے متقی لوگوں کی ایک جماعت تسلسل کے ساتھ نقل کرتی آئی ہو۔

☆ ۷۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد کے لیے دس شرائط لکھی ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ کا اتنا علم ضروری ہے جس کی احکام شریعت جاننے کے لیے بہت زیادہ ضرورت ہے، اس بارے میں قرآن مجید کے علوم کی تفصیلی مہارت ضروری نہیں ہے البتہ ایسی تمام آیات کا علم ضروری ہے جن کا تعلق احکامِ شریعت سے ہے، یہ تقریباً پانچ سو آیات ہیں، یہ آیات مجتہد کو اس طرح از بر بلکہ نوک زبان ہونی چاہئیں کہ اسے جب بھی کسی شرعی حکم معلوم کرنے کی حاجت پڑے وہ بے تکلف اپنا مقصد حاصل کر لے۔

۲۔ اسی طرح احکام سے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا بھی علم رکھتا ہو۔

۳۔ قرآن مجید اور احادیث کے ناسخ و منسوخ کا پوری طرح عالم ہو تاکہ اجتہاد میں کوئی بڑی غلطی نہ کر بیٹھے۔

۴۔ جرح و تعدیل اور ان کے اسباب سے باخبر ہو تاکہ احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ میں تمیز کر سکے۔

۵۔ امت کے متفق علیہ مسائل سے واقف ہو اگر اسے ان مسائل کی واقفیت نہ ہوگی تو اجماع امت کے مطابق فتوے نہ دے سکے گا۔

۶۔ دلائل کو صحیح ترتیب دینے اور ان سے روح اسلام کے مطابق نتائج نکالنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، خطا صواب میں امتیاز کر سکتا ہو، غلطی کے مقامات کہاں کہاں اور کتنے ہیں، یہ اچھی طرح جانتا ہو کہ ان جگہوں سے احتیاط کرے۔

۷۔ اصولِ دین کا عالم ہو مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم ذات باری کا عیوب و نقائص سے منزہ ہونا اور اس کے حی عالم اور قادر ہونے کا علم۔

۸۔۹۔ لغت اور علم نحو میں اتنی دستگاہ ضرور ہو کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء سمجھ سکے۔

۱۰۔ اصول فقہ جانتا ہو، امر و نہی، عموم و خصوص، استثناء و تخصیص، تاویلات و ترجیحات اور قیاس کے احکام سے پوری طرح واقفیت رکھتا ہو۔

(جامع العلوم، از علامہ فخر الدین رازی، اردو ترجمہ: سید محمد فاروق القادری ایم۔اے، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۴۳)

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، مطبوعہ ترکی ۱۳۹۶ھ، ص ۳۰ پر مجتہد کے یہی اوصاف لکھے ہیں)

☆۸۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے!

عن ابن عباس قال اتی رجل ن النبی صلی اللہ علیہ و سلم فقال ان اختی نذرت ان احج و انھا ماتت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان علیھا دین اکنت قاضیہ قال نعم قال فاقض دین اللہ فھو احق بالقضاء۔

(یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پس عرض کیا کہ میری ہمشیرہ نے حج کی نذر مانی تھی اور وہ مرگئی ہے، پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اس پر قرض ہوتا کیا تو ادا کرتا، کہا ہاں، فرمایا پس ادا کریں خدا کا کہ وہ زیادہ ادا کا مستحق ہے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بطور قیاس کے سمجھایا کہ جب بندے کا قرض ادا کیا جائے تو اللہ کا ادائے قرض بدرجۂ اولیٰ چاہیے۔ (فتح المبین از مولانا منصور علی مراد آبادی، مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۸۵ء، ص ۲۸)

☆۹۔ بخاری شریف (عربی) مطبوعہ کراچی، جلد ۱، ص ۱۲۹۔ جلد ۲، ص ۵۹۱

☆۱۰۔ مسلم شریف (عربی) مطبوعہ کراچی، جلد ۲، ص ۹۶

☆۱۱۔ القرآن الحکیم، پارہ ۵، سورۃ النساء، آیت ۱۰۳

☆۱۲۔ البیان ترجمہ قرآن، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مطبوعہ ملتان

☆۱۳۔ بخاری شریف (عربی) جلد ۱، ص ۱۲۹

☆۱۴۔ مقدمہ مشکوٰۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی اردو ترجمہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۶۵ھ، ص ۶۷

// مقدمہ ابن الصلاح (عربی) از ابی عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن شہرزوری (متوفی ۶۴۲ھ) مطبوعہ ملتان، ص ۳۱

// نزھۃ النظر فی نخبتہ الفکر از حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) مطبوعہ ملتان، ص ۱۱۹

// الحدیث والمحدثون از استاذ محمد ابوزہرہ مصری، مطبوعہ فیصل آباد، ص ۵۲۳

☆ ۱۵۔ ترمذی شریف، باب الستنجاء بالحجر، ص ۴

☆۱۶۔ مقدمہ ابن الصلاح (عربی) مطبوعہ ملتان، ص ۹ تا ۱۵

☆۱۷۔ فتاویٰ نذیریہ، از مولوی نذیر حسین دہلوی غیر مقلد، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء، ص ۱۶۷

☆ ۱۸۔ القرآن الحکیم، پارہ ۱۴، سورۃ النحل، آیت ۲۲

☆ ۱۹۔ مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری، مطبوعہ دہلی، ص ۵

☆ ۲۰۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے ''میزان الاعتدال فی اسماء الرجال'' میں امام ابوحنیفہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: "النعمان بن ثابت الکوفی امام اھل الرائی ضعفه النسائی و ابن عدی والدار قطنی و ١ خرون" (حافظ شمس الدین ذہبی، میزان الاعتدال، عربی، مطبوعہ بیروت، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء، جلد ۴، ص ۲۶۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ میزان الاعتدال میں یہ عبارت بلا شبہ الحاقی ہے، یعنی مصنف نے نہیں لکھی بلکہ کسی اور شخص نے اسے حاشیہ پر لکھا اور بعد میں متن میں شامل کردی گئی، یہ یا تو کسی کاتب کی غلطی سے ہوا یا جان بوجھ کر اس عبارت کو متن میں داخل کر دیا گیا، اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں یہ تصریح کی ہے کہ میں اس کتاب میں ان بڑے بڑے آئمہ کا تذکرہ نہیں کروں گا جن کی جلالت قدر حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، خواہ ان کے بارے میں کسی شخص نے کوئی کلام بھی کیا ہو، پھر ان بڑے بڑے ائمہ کی مثال میں امام ابوحنیفہ کا نام بھی انہوں نے صراحۃً ذکر کیا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کا ذکر کیا ہو۔

۲۔ جن بڑے بڑے ائمہ کا تذکرہ حافظ شمس الدین ذہبی نے میزان الاعتدال میں نہیں کیا، ان کے تذکرہ کے لیے انہوں نے ایک مستقل کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' لکھی اور اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کا تذکرہ بڑی مدح اور توصیف سے بیان کیا ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''لسان المیزان'' کو میزان الاعتدال پر ہی مبنی کیا ہے، یعنی

جن رجال کا تذکرہ میزان الاعتدال میں نہیں ہے ان کا تذکرہ لسان المیز ان میں بھی نہیں ہے، سوائے چند ایک کے، اور لسان المیز ان مین امام ابوحنیفہ کا تذکرہ موجود نہیں، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں یہ عبارت اصل میزان الاعتدال میں نہیں تھی بعد میں بڑھادی گئی۔

۴۔ شیخ عبدالفتاح ابو غدہ الحلبی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء) نے "الرفع والتکمیل" کے حاشیہ کے صفحہ ۱۰۱ پر لکھا کہ میں نے دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں میزان الاعتدال کا ایک نسخہ دیکھا ہے (تحت الرقم حیث ۳۶۸) جو مکمل حافظ ذہبی کے ایک شاگرد علامہ شرف الدین الوانی کے قلم سے لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ تصریح ہے کہ میں نے یہ نسخہ اپنے استاد حافظ ذہبی کے سامنے تین مرتبہ پڑھا اور ان کے مسودہ سے اس کا مقابلہ کیا، اس نسخہ میں امام ابوحنیفہ کا تذکرہ موجود نہیں ہے، اس طرح میں نے مراکش کے دارالحکومت رباط کے مشہور کتب خانہ "الخزانة العامرہ" میں ۱۳۹ ق نمبر کے تحت میزان الاعتدال کا ایک قلمی نسخہ دیکھا، جس پر حافظ ذہبی کے بہت سے شاگردوں کے پڑھنے کی تاریخیں درج ہیں اور اس میں یہ تصریح بھی ہے کہ حافظ ذہبی کے ایک شاگرد نے ان کے سامنے ان کی وفات سے صرف ایک سال پہلے پڑھا تھا، اس نسخہ میں بھی امام ابوحنیفہ کا تذکرہ موجود نہیں ہے، یہ اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں یہ عبارت کسی نے بعد میں بڑھائی ہے، اصل نسخہ میں موجود نہ تھی، حافظ ذہبی ایسی بات کیسے لکھ سکتے تھے جب کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ رہے حافظ ابن عدی تو وہ بے شک شروع میں امام ابوحنیفہ کے مخالف تھے، اور اس زمانہ میں انہوں نے امام صاحب پر جرح بھی کی لیکن بعد میں جب وہ امام طحاوی کے شاگرد بنے تو امام ابوحنیفہ کی عظمت کا احساس ہوا، چنانچہ نے اپنی سابقہ غلطی کے کفارہ کے طور پر امام ابوحنیفہ کی مسند ترتیب دی، لہٰذا ان کے سابقہ قول کو امام صاحب کے خلاف حجت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ امام نسائی اور امام دارقطنی کی جرح مبہم اور غیر مفسر ہے، دونوں امام جوشِ شافعیت میں ضعیف تو کہہ گئے مگر ضعف کی وجہ ان کو بھی نہ مل سکی ورنہ ضرور پیش کرتے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان، یعنی جو اس بات دعویٰ کرتا ہے تو بیان کرے۔

☆ ۲۱۔ امام حافظ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (اردو ترجمہ) مطبوعہ لاہور، جلد ۱، ص ۱۴۸

☆ ۲۲۔ "مناقب الامام ابی حنیفہ" (عربی) از امام شمس الدین ذہبی، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ ۲۳۔ ابوداؤد شریف، (عربی) مطبوعہ کراچی، جلد ۲، ص ۲۸۷

☆ ۲۴۔ بخاری شریف (عربی) مطبوعہ کراچی، جلد ۱، ص ۴۷

☆ ۲۵۔ امام محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی، جمع الفوائد، جلد ۱، ص ۲۸

// امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ کراچی، ص ۲

فلاحِ دارین (قسط دوم)

اعلیٰ حضرت کے ''فتاویٰ افریقہ'' کی ایک عبارت کی تشریح

شرح از: محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کپٹھال، قول پیٹ، ہبلی (کرناٹک)

عُجب

عُجب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جسکا معنیٰ ہے ''خود پسندی'' ۔ جسے عام زبان میں ''مَیں پن'' بھی کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات:

عُجب کا لغوی معنیٰ ہے ''خود بینی'' [۱]

مولوی عبدالحفیظ بلیاوی لکھتے ہیں.........

''عُجب'' کا لغوی معنیٰ ہے ''خود بینی۔ پیش آمدہ چیز کا انکار۔ فخر۔ غرور'' [۲]

عُجب کی حقیقت اور تعریف:

حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں.........

جاننا چاہیے کہ عُجب (خود پسندی) ایسے وصف کی وجہ سے ہوتی ہے جو کمال یقینی ہو۔ اور جو شخص علم، عمل اور مال کے ذریعے اپنے نفس میں کمال جانتا ہو اس کی دو حالتیں ہیں،

(۱) اسے اس کمال کے زوال کا خوف ہو یعنی وہ کمال اس سے ختم ہونے یا چھین لیے جانے یا بدل جانے کا اسے ڈر لگا ہوا ہو تو ایسا آدمی خود پسند نہیں ہوتا۔

(۲) اسے اس کمال کے زوال کا خوف تو نہیں مگر چونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ملا ہے، اس لیے خوش ہوتا ہے اور اس حیثیت سے نہیں کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے۔ تو ایسا شخص بھی عُجب کی بیماری کا مریض نہیں۔

(۳) ہاں، ان دو حالتوں کے علاوہ ایک اور حالت ہوتی ہے، اُس کا نام ''عُجب'' ہے۔ نیز ''عُجب'' یہ ہے کہ کمال کے زوال کا خوف بھی نہ ہو اور اسے خوشی اس وجہ سے ہو کہ یہ کمال اور بلندی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطا ہے بلکہ وہ مطمئن اور خوش اس لیے ہو کہ یہ کمال میری اپنی ذات کی طرف منسوب ہے اور یہ کمال میرا ذاتی وصف ہے اور اسے مَیں نے ہی پیدا کیا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے دل پر جب یہ بات

غالب ہوجائے کہ یہ کمال تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا مجھ سے چھین لے گا تو اُس کا عُجب ختم ہوجائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ کمالِ نعمت کو بڑا جانتے ہوئے اس پر مطمئن ہونا اور اسے نعمت عطا کرنے والے کی طرف اس نعمت کے منسوب ہونے کو یاد ہی نہ رکھنا "عُجب" ہے۔ ۳

عُجب اور تکبر میں کیا فرق:

عُجب تو تکبر کی ایک شاخ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور عُجب میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے آپ کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور اللہ عزوجل کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور اُن کے زوال سے بے خوف ہوجانا خود پسندی یا عُجب کہلاتا ہے۔ ۴

ناز ونخرے سے کیا مراد ہے؟:

عُجب کی نوبت اگر یہاں تک آجائے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک خود کو ذی مرتبہ اور باوقعت تصور کرنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن نیست و نابود نہ ہوں، یاد رکھو کہ اپنی عبادت و ریاضت پر نازاں ہونا خود کو اللہ عزوجل کا مقبول بندہ اور کسی قابل سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے البتہ اگر اللہ عزوجل کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا بھی خوف دل میں رکھے اور بس یہی خیال کرے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھے مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے، جس وقت چاہے مجھ سے لے لے تو یہ عُجب یا خود پسندی نہیں ہے۔ کیونکہ خود پسند شخص نعمت کو منعمِ حقیقی کی جانب منسوب کرنا بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ ۵

مثال سے سمجھیے:

کوئی شخص کسی کو کچھ دے اور اُس وقت وہ دل میں یہ خیال کرے کہ مَیں نے ایک بڑا کام کیا ہے تو ایسے شخص کو خود پسند کہتے ہیں۔ پھر اس بخشش و عنایت کے بعد وہ اس سے اگر خدمت لے اور بدلہ کی امید رکھے تو اس کو ناز کہتے ہیں ۶

جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا.........

ایسے شخص کی نماز جو اس پر ناز کرتا ہے اس کے سر سے تجاوز نہیں کرے گی ۷

عُجب کی حرمت قرآن مجید میں:

حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں......

جان لو! خود پسندی کی مذمت قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ دونوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ

ارشادِ خداوندی ہے.........

○ یوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً [8]

اور (غزوۂ) حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کام نہ آئی [9]

یہ بات انکار کی حیثیت سے ذکر فرمائی کہ یہ خود پسندی اچھی نہیں تھی (تمہیں اترانا نہیں چاہیے تھا) [10]

○ و ظنوا انھم ما نعتھم حصونھم من اللہ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا [11]

اور تمہیں گمان نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔ [12]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے کفار کے اپنے قلعوں اور شان و شوکت پر اترانے کا ردّ فرمایا ہے [13]

○ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا [14]

اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں [15]

یہ بات بھی ہر عمل پر اِترانے (خوش پسندی) کی طرف راجع ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے آدمی بعض اوقات اپنے غلط عمل پر بھی اتراتا ہے جس طرح کہ وہ اپنے اچھے عمل پر اتراتا ہے [16]

○ فلا تزکوا انفسکم [17]

تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ [18]

یعنی اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو۔ حضرت ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کوئی نیک کام کرے تو یوں نہ کہے کہ یہ مَیں نے کیا ہے۔ [19]

اسی طرح حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھو کہ وہ نیکوکار ہے کہ یہ عُجب ہے۔ [20]

عُجب کی مذمت احادیث طیبہ میں:

مندرجہ بالا آیاتِ مطہرہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت محمد بن عمرو بن عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں......

مَیں نے اپنی بیٹی کا نام ''برۃ'' رکھا تو حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ میرا بھی یہی نام رکھا گیا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اپنی مدح سرائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک لوگوں سے خوب آگاہ ہے۔ عرض کی گئی:- ہم اس کا نام کیا رکھیں؟........ فرمایا: اس کا نام "زینب" رکھو ۲۱

☆ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آدمی کب گنہگار ہوتا ہے؟

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:- جب وہ اپنے کو نیکوکار سمجھے اور ایسا سمجھنا "خود پسندی" کی علامت ہے۔ ۲۲

☆ حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبین ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے.........

خود پسندی انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ انسان جب خود کو نیک تصور کرنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اور سعادتِ اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔ ۲۳

☆ آقائے کائنات ﷺ ایک اور جگہ پر یوں ارشاد فرماتے ہیں.........

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (۱) بخل (۲) حرص (۳) خود پسندی (عُجب) ۲۴

☆ ایک اور جگہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے.........

اگر تم گناہ نہ کرو، تب بھی مجھے تم سے ایک چیز کا خوف ہے جو معصیت سے بدتر ہے یعنی عُجب و خود پسندی ۲۵

حضرت علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ درود نے عُجب کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ۲۶

☆ نبی کریم ﷺ نے اس اُمت کے آخرت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

جب تم دیکھو کہ لالچ کی اطاعت اور خواہش کی پیروی کی جارہی ہے نیز ہر رائے دینے والا اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے تو (اُس وقت) اپنی فکر کرو ۲۷

☆ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی آیت ولا تمنن تستکثر ۲۸ کی تفسیر میں فرمایا.........

اپنے عمل پر ناز نہ کر ۲۹

☆ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں.........

دو چیزیں انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہیں ایک خود پسندی اور دوسری ناامیدی ۳۰

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں.....

یہاں پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دو چیزوں کو اس لیے جمع فرمایا کہ سعادت کا حصول، کوشش، طلب، محنت اور ارادے کے بغیر ناممکن ہے۔ نا امید آدمی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی طلب کرتا ہے جبکہ خود پسند شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ خوش بخت ہے اور اپنی مراد کے حصول میں کامیاب ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ کوشش نہیں کرتا اور جو کچھ موجود یا محال ہو اس کی طلب نہیں ہوتی جبکہ خود پسند کے اعتقاد کے مطابق اسے سعادت حاصل ہوتی ہے اور مایوس و نا امید شخص کے نزدیک سعادت کا حصول محال ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں باتوں کو اکٹھا کیا ۳۱

عُجب کی آفت اقوال سلف کی روشنی میں:

اسی باعث بزرگوں نے کہا ہے کہ نا اُمید انسان ایک چیز کی طلب میں سستی کرتا ہے اور خود پسند خود کو طلب سے بے نیاز اور مستغنی سمجھتا ہے ۳۲

☆ شیخ مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا.........

اگر میں ساری رات سوتا رہوں اور صبح کو ہراساں و پریشان اُٹھوں تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ساری رات نماز پڑھوں اور صبح کو اس عبادت پر غرور کروں ۳۳

☆ حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ....

خود پسندی بُرے اخلاق میں داخل ہے۔ یعنی اخلاق ذمیمہ میں اس کا شمار ہوتا ہے ۳۴

عُجب کے نقصانات: حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ....

جان لو کہ خود پسندی (عُجب) کے نقصانات و آفات بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ تکبر کو دعوت دیتی ہے۔ کہ یہ تکبر کی ہی ایک شاخ ہے۔ تکبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ غرض کہ عُجب سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر سے بے شمار آفات جنم لیتی ہیں۔ یہ تو بندوں کے ساتھ معاملہ ہے۔

یہی بات یا یہی معاملہ اگر اللہ کے ساتھ ہو تو پھر اس سے اتنی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جن کا شمار نہیں۔ کہ خود پسندی گناہوں کو بھول جانے اور نظر انداز کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ جس سے وہ بعض گناہوں کو بالکل ہی بھول جاتا ہے اور انھیں یاد بھی نہیں کرتا۔ اور جن گناہوں کو یاد رکھتا ہے ان کو بھی بہت معمولی سمجھتا ہے جس کی بنا پر ان گناہوں کو کوئی اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ان کے تدارک کی کوشش بھی نہیں کرتا بلکہ یہی گمان رکھتا ہے کہ یہ بخشش دیئے جائیں گے۔

اور اس کے مقابل عبادات اور اعمال صالحہ کو بہت بڑا سمجھتا ہے، ان پر خوش ہوتا ہے اور ان کی بجا آوری کو اللہ تعالیٰ پر احسان سمجھتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس عمل کی توفیق بھی اسے قدرت الٰہی سے ملی

ہے۔ پھر جب بندہ اپنے اعمال پر عُجب اختیار کرتا ہے یعنی خود پسندی کا شکار ہوجاتا ہے تو اس کی آفات سے وہ اندھا ہوجاتا ہے۔ اس کے نقصانات سے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ جو بندہ اپنے اعمال کی آفتوں کو نہ جانے تو ایسے شخص کی اکثر و بیشتر سعی ضائع ہوجاتی ہے۔ مثلاً ظاہری اعمال اگر پاک وصاف اور ملاوٹ سے خالی نہ ہوں تو پھر ایسے اعمال نفع بخش نہیں ہوتے۔ اور عُجب کے آفات کی جستجو اسی کو ہوا کرتی ہے جس پر خوف غالب ہو۔ نیز خود پسند آدمی اپنے آپ پر اور اپنی رائے پر مغرور ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر اور اس کے عذاب سے بے خوف ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا ایک خاص مقام ہے۔ نیز وہ اپنے اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر احسان جتاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ پہ میرا حق اور احسان ہے۔ حالانکہ یہ توفیقِ اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جو اللہ ہی کی طرف سے اسے ملی ہے۔ لیکن خود پسندی کی وجہ سے اپنے نفس کی تعریف کرتا ہے اور اس کی پاکیزگی ظاہر کرتا ہے پھر جب وہ اپنی رائے، عمل اور عقل پر اتراتا ہے تو دوسروں سے استفادہ حاصل کرنے، مشورہ لینے اور پوچھنے سے باز رہتا ہے اور یوں اپنے آپ پر اور اپنی رائے پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ کسی بڑے عالم سے پوچھنا اچھا نہیں سمجھتا بلکہ اسے برا سمجھتا۔ اور بعض اوقات اپنی غلط رائے پر اتراتا ہے اور اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آیا۔ اگر یہی خیال دوسرے کے دل میں پیدا ہو پھر وہ اپنی طرف سے وہی رائے دے تو اسے پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے (چاہے وہ غلط ہو)۔ کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو نہیں سنتا اور نہ ہی کسی واعظ کا وعظ سنتا ہے بلکہ دوسروں کو یوں دیکھتا ہے، گویا کہ وہ جاہل ہیں اور اپنی خطاء پر ہی ڈٹا رہتا ہے۔ (یاد رہے) اگر اس کی یہ رائے کسی دنیاوی معاملے میں ہو تو پھر مقصد کے حصول سے وہ محروم رہتا ہے۔ اور اگر دینی یا اُخروی معاملے میں ہو بالخصوص عقائد سے متعلق ہو تو پھر اس کے باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہوجاتا ہے [۳۵]

اگر اس کی جگہ وہ اپنی رائے پر اندھا اعتماد نہ کرتا بلکہ اپنے نفس پر تہمت لگاتا اور نورِ قرآن سے روشنی حاصل کرتا، علمائے دین سے مدد لیتا، علم کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتا اور اہل بصیرت سے متواتر پوچھتا رہتا (ان کی رائے لیا کرتا) تو یہ بات اسے حق تک پہنچاتی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس قسم کی برائیاں عُجب یعنی خود پسندی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے عُجب کو مہلکات میں شمار کرتے ہیں۔ (جسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی "فتاویٰ افریقہ" کی ایک عبارت میں چالیس مہلکات آفات میں شمار کیا ہے) اور عُجب کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ بندہ اس گمان کی وجہ سے بے پرواہ ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ چکا۔ وہ کامیاب ہوچکا۔ جس کی بنا پر وہ کوشش میں کوتاہی کرتا ہے۔ کہ اب اسے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ واضح ہلاکت ہے، عین تباہی

و بربادی ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہے .... ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی اطاعت کے لیے حسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں ۳۶؎

اس کی مثالیں (واقعات کی روشنی میں):

جب حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ الٰہی ایسی کوئی بھی رات نہیں آئی کہ آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی بندہ قیامِ لیل (شب بیداری) اختیار نہ کرتا ہو اور نہ ہی کوئی ایسا دن آیا ہے کہ آلِ داؤد میں سے کوئی نہ کوئی بندہ روزہ دار نہ ہو .... ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ دن رات میں کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں آیا کہ آلِ داؤد کا کوئی نہ کوئی عابد تیری عبادت نماز یا روزہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو .... تو اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد (علیہ السلام)! ان میں یہ باتیں کہاں سے آئی ہیں؟ یہ سب میری وجہ سے ہی ہیں۔ (محض توفیقِ الٰہی ہی تو ہیں) اگر تجھ کو میری مدد حاصل نہ ہوتی تو پھر کوئی طاقت نہ ملتی اور عنقریب میں تجھ کو تیرے نفس کے حوالے کردوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو کچھ گزرا یا جو کچھ معاملہ ہوا وہ عمل پر خود پسندی یا عُجب کی وجہ سے تھا کیونکہ آپ نے بطورِ ناز آلِ داؤد کی اس کی طرف نسبت کی حتیٰ کہ آپ کو آپ کے نفس کے حوالے کیا گیا اور آپ سے ایسی لغزش ہوئی جو غم و ندامت کا سبب بنی ۳۷؎

☆ اسی طرح جب صحابہ کرام علیہم الرضوان نے غزوۂ حنین کے دن اپنی قوت اور کثرتِ فوج پر بھروسہ کیا اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل کو بھول گئے اور فرمانے لگے کہ آج ہم قلتِ تعداد کی وجہ سے شکست نہیں ہوں گے۔ تو ان کو ان کے نفسوں کے سپرد کردیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ....

ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ۳۸؎

اور (غزوۂ) حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہوکر (بھی) تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے ۳۹؎

☆ حضرت ابن عینیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا ....

الٰہی! تو نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا ہے۔ حالانکہ مجھ پر جب بھی کوئی واقعہ گزرا ہے تو میں نے ہر مقام پر تیری رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دی ہے .... پس مجھے ایک بادل سے دس ہزار آوازیں سنائی

دیں کہ اے ایوب! یہ بات (ترجیح دی) تجھے کہاں سے حاصل ہوئی؟ .... راوی کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) حضرت ایوب علیہ السلام نے خاک لے کر اپنے سر پر ڈالی اور عرض کیا کہ اے میرے رب تیری ہی طرف سے حاصل ہوئی اے میرے رب تیری ہی طرف سے حاصل ہوئی .... تو (اس ندامت پر) حضرت ایوب علیہ السلام کی بھول ختم ہوئی اور آپ نے اپنا صبر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ۴۰

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ....

ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ ماز کیٰ منکم من احدا ابدا ۴۱

اور اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی ستھرا نہ ہوسکتا ۴۲

عُجب سے بچنے کی تاکید و تنبیہ: غزوۂ احد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کو بچانے کے لیے آپ پر گر گئے حتیٰ کہ ان کی ہتھیلی زخمی ہوگئی ۴۳ چونکہ یہ کام حضرت طلحہ سے عظیم ترعمل میں شمار ہوا تھا کہ آپ نے اپنی جان تک رسول اللہ ﷺ پر نثار کردی تھی۔ جس کی بناء پر یہ کام ان کی نظروں میں بڑا بہترین و عظیم تھا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عُجب کو پہچان لیا اور فرمایا کہ "جب سے حضرت طلحہ کی انگلی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ زخمی ہوئی ہے اُس وقت سے ان میں خود پسندی محسوس ہورہی ہے" .... جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کے وقت حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے حضرت طلحہ کا ذکر کیا کہ آپ نے حضرت طلحہ کو کیوں چھوڑ دیا؟

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان میں نخوت (تکبر) کی بو آتی ہے۔

غور کا مقام ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابی عُجب سے خالی نہ تھے تو ہم جیسے کمزور لوگ جب تک پرہیز نہ کریں کیسے خالی ہوسکتے ہیں؟ ۴۴

اس لیے حتی الامکان عُجب سے بچنے اور احتیاط برتنے کی جگہ جگہ تنبیہات آئی ہیں جس کی ایک مثال آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اللہ ہمیں عُجب سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین!

عُجب سے بچنے کا طریقہ (علاج): حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں.....

عُجب یعنی خود پسندی بہت بڑی جہالت ہے لہٰذا اس کا علاج کرنا ضروری ہے۔ پس اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت و زور یا حسن و جمال پر عُجب ہو، تب تو یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھے عطا فرمادیں۔ علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ سب خوبیاں معرضِ زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری اور ضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہیں گی۔ پس دوسرے کے ناپائیدار عطیہ پر عُجب کیسا؟ نیز اگر علم و عمل یا زہد و

تقوئی اور عبادت و ریاضت یعنی اختیاری افعال پر ناز ہوتو اس میں غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے؟ اگر اللہ تعالیٰ ذہن رسا اور طاقت و ہمت، دماغ و بینائی، ہاتھ پاؤں، قصد و ارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کوئی کمال کیونکر حاصل ہوتا، اسی کا حکم تھا کوئی مانع پیش نہیں آیا ورنہ میں مجبور تھا کہ خود کچھ بھی نہ کرسکتا تھا، یہ ضرور مسلم ہے کہ انسان کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے یا برے کام کرتا ہے۔ مگر اختیار و ارادہ کی عطا بھی تو اسی اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کر دینا اور کامیابی دینا غرض ابتدا، سے لے کر انتہا تک سب کچھ اللہ عزوجل ہی کے اختیار میں ہے۔ پس ایسی حالت میں ناز کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اور وہ خزانہ کھول کر تمہارے سپرد کردے تو تم اس میں سے جواہرات اپنی خواہش کے مطابق اپنی گود میں بھرلو اور پھر ناز کرنے لگو کہ میں نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤ گے کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے۔ مگر خزانہ تو شاہی تھا اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اسی نے تم پر احسان کیا، اسی نے کنجی عطا فرمائی، اور اسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھری میں داخل ہوئے۔ تو پھر اتنی بے اختیاری پر تمہیں اپنے فعل پر ناز اور خود پسندی کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ [۴۵]

حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں ....

جاننا چاہیے کہ ہر بیماری کا علاج اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے سبب کا مقابلہ اس کی ضد کے ساتھ کیا جائے۔ چونکہ عُجب کا سبب جہالت محض ہے۔ لہٰذا اس کا علاج صرف معرفت ہے جو اس جہالت کی ضد ہے۔ [۴۶]

اعمالِ صالحہ پر نازاں ہونے کا علاج:

حضرت حجۃ الاسلام ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں ....

حیرانگی تو اس بات پر ہے کہ صاحبِ عقل اور سمجھدار پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقع پر جاہل بن جاتے ہیں اور اپنی عقل و علم پر نازاں ہونے لگتے ہیں۔ اور کسی جاہل و بے وقوف کو تونگر پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیونکر ہوا؟ ہم تو عالم و عاقل ہو کر مال سے محروم ہیں اور یہ جاہل و غافل ہو کر مالدار و متمول بن جائے! حتیٰ کہ قریب ہے کہ یہ شخص اس بات کو ظلم قرار دے۔ لیکن یہ مغرور آدمی یہ نہیں جانتا کہ اگر اس کو عقل و مال دونوں عطا کر دیئے جاتے تو ظاہری طور پر یہ ظلم کے زیادہ مشابہ ہوتا۔ کیونکہ اس وقت جاہل فقیر یہ اعتراض کرتا کہ اے میرے رب! تو نے عقل اور مالداری دونوں ایک ہی شخص کو کیوں عنایت فرمائیں؟ جبکہ ان دونوں سے مجھے محروم رکھا۔ یہ دونوں چیزیں مجھے کیوں عطا نہیں کیں یا کم از کم ایک ہی عطا کر دیتا؟

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔...........

جب آپ رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا گیا کہ عقلمند لوگ محتاج کیوں ہوتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا:- انسان کی عقل بھی رزقِ خداوندی میں شمار ہوتی ہے ۲۷؎

تعجب کی بات ہے کہ کوئی عقلمند فقیر جب کسی جاہل امیر کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا ہے تو اسے وہ برا سمجھتا ہے اور اپنی قسمت پر افسوس کرتا ہے۔ لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم اپنی عقل و علم کے بدلے میں اس امیر کی جہالت و مالداری کو ترجیح دیتے ہو؟ تو وہ اس بات کو بالکل نہیں مانتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس فقیر پر ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت زیادہ بڑی ہے ....تو پھر کس وجہ سے وہ اس بات پر تعجب کرتا ہے؟

یونہی کوئی خوبصورت محتاج عورت جب کسی بدشکل عورت پر زیورات و جواہر کو دیکھتی ہے تو تعجب کرتے ہوئے کہتے ہے کہ میرا حسن کیسے زینت سے محروم ہوگیا۔ اور اس قبیح بدشکل عورت کو کیسے زینت حاصل ہوگئی لیکن وہ یہ نہیں جانتی کہ اس کی خوبصورتی بھی عطیاتِ خداوندی میں شمار ہوتی ہے۔ اگر اسے یہ اختیار دے دیا جائے کہ یا تو حسن و جمال کو قبول کر یا بدصورتی کے ساتھ مالداری کو قبول کر، تو وہ حسن و جمال کو ترجیح دے۔ گویا کہ اسے بھی یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت حاصل ہوئی ہے ....تو پھر تعجب کیوں؟

اسی طرح کسی دانا عقلمند فقیر کا دل میں یوں کہنا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے دنیا سے کیوں محروم کیا جبکہ جاہل لوگوں کو تو تُو نے دنیا دی ہے، یہ اس شخص کی طرح ہے جس کو کسی بادشاہ نے گھوڑا دیا ہو اور وہ کہے کہ اے بادشاہ! تو نے مجھے غلام کیوں نہیں دیا جبکہ میرے پاس گھوڑا بھی ہے۔ تو بادشاہ جواب دیگا کہ اگر میں تجھے گھوڑا نہ دیتا تو تجھے غلام کے نہ ملنے پر تعجب نہ ہوتا۔ فرض کرلو کہ میں نے تمہیں گھوڑا نہیں دیا تو کیا تم میرے ایک نعمت کو دوسری کا وسیلہ اور حجت بتاتے ہو اور اس کے ذریعہ دوسری نعمت طلب کرتے ہو۔ تو یہ وہم ہیں جس سے جاہل لوگ خالی نہیں ہیں اور ان تمام کا منشا جہالت ہے۔ جس کا ازالہ یقین سے اس بات کو جان لینے سے ہوتا ہے کہ بندہ اور اس کا عمل اور اس کے اوصاف سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں جو استحقاق کے بغیر حاصل ہوئے ہیں۔ اس بات کی پہچان جس شخص کو ہوگئی اُس سے اس بات کا تصور نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے علم و عمل پر اترائے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے ۲۸؎

عقلمندی کی بات یہی ہے کہ عطائے الٰہی پر شکر ادا کرو اور جان لو کہ اللہ عزوجل کا یہ بڑا کرم ہے کہ اس نے پہلے ہی بلا استحقاق مجھ پر کرم فرمایا اور علم و عقل ایسی نعمت بخشی جس کے مقابلہ میں مال کی کوئی

حقیقت ہی نہیں اور پھر شکر گزاری و عبادتِ الٰہی کی توفیق بھی اسی نے مرحمت فرمائی جبکہ دوسروں کو اس سے محروم رکھا۔ حالانکہ یہ محرومی بھی کسی جرمِ سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں ہے۔ بلکہ بلا استحقاق عطا کردہ ہے۔ پس جب ایسا خیال کرو گے تو خوفِ الٰہی پیدا ہوگا اور سمجھو گے کہ جس نے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے، وہ اگر بلا قصور اس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چوں و چرا نہیں کرسکتا اور کیا خبر کہ یہ نعمت مکر اور استدراج ہو اور وبالِ جان اور عذاب کا سبب بن جائے کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ''ہم نے ان پر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوگئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک ان کو پکڑلیا'' جب یہ خیالات ذہین نشین ہوں گے تو خوف وخشیت تم سے کسی وقت بھی دور نہ ہوگا اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہ ہوگے' پس عُجب سے باآسانی نجات مل جائے گی ۴۹ ؎

عُجب ایک ایسا کبیرہ گناہ ہے، جس سے (میرے اندازے کے مطابق) آج کوئی بھی شخص خالی نہیں۔ ہر شخص اس جرم میں مبتلا ہے۔ کیونکہ کسی نیک و بزرگ شخص سے بھی آپ یہ پوچھیں کہ بھائی صاحب، اتنی دیر آپ کہاں تشریف لے گئے تھے، میں کافی دیر سے آپ کا منتظر ہوں؟ .... تو (اگر وہ شخص نماز پڑھنے گیا تھا تو وہ یہی کہے گا کہ ''جی میں نماز پڑھنے گیا تھا'' یا یوں کہے گا کہ ''ابھی ابھی میں عصر پڑھ کے آرہا ہوں) وغیرہ .... حالانکہ اس کے بولنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ''جی میں بتوفیق الٰہی نماز پڑھنے گیا تھا'' .... یا یوں کہے کہ ''اللہ نے مجھے نماز پڑھائی۔'' وغیرہ

اسی طرح کسی کا یوں کہنا کہ ''میں نے صدقہ وخیرات کیا۔'' یا میں نے زکوۃ ادا کی۔'' یا میں نے فلاں کی مدد کی، عُجب سے خالی نہیں۔ کیونکہ ''میں'' کا لفظ جہاں پر آگیا عُجب وہاں داخل ہوگیا۔

اسی لیے ہر کام کو ہمیشہ اللہ جل شانہٗ ہی کی جانب منسوب کردینا چاہیے۔ اور اسی میں اپنی بھلائی ہے۔ جیسے اللہ نے مجھے صدقہ وخیرات کی توفیق عنایت کی۔ یا لالہ نے مجھ سے زکوۃ ادا کروائی۔ یا لالہ نے مجھے فلاں کی امداد کی طاقت عطا فرمائی۔ اور اللہ نے مجھے نماز و روزہ کی ہدایت دی۔ اور اللہ نے مجھے حج بیت اللہ کی سعادت بخشی۔ وغیرہ۔

الغرض عُجب کا بہترین علاج یہ ہے کہ میں یا ان کو ختم کرکے سارے کام اللہ ہی کی جانب منسوب کردینا چاہیے۔ گویا کہ جس نفس سے میں یا ان کا خاتمہ ہوگیا، اُس شخص سے عُجب کا خاتمہ ہوگیا۔ عُجب کی علاج کی مزید تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ''احیاء العلوم'' کیمیائے سعادت اور خطباتِ غزالی'' کا مطالعہ کریں۔

اس کی مثالیں (واقعات کی روشنی میں):

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ کا بیان ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ

عنہ نے بتایا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "بیشک حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا۔ کیونکہ انھوں نے علم کو اس کی طرف نہیں لوٹایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی بھیجی کہ بیشک میرا ایک بندہ ہے جو دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر ہے اور وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ الخ ۵۰؎

اسی لیے حضرت بشر بن منصور رحمۃ اللہ علیہ نے جو اُن لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر خدا تعالیٰ اور آخرت کا گھر یا قیامت کا دن یاد آتا تھا۔ کیونکہ وہ عبادت کی ہمیشہ پابندی کرتے تھے، انھوں نے ایک دن طویل نماز پڑھی جسے ایک شخص پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب حضرت بشر کو معلوم ہوگیا اور آپ نے نماز سے سلام پھیرا تو اس شخص سے فرمایا:- جو کچھ تم نے مجھ سے دیکھا ہے اس سے تمھیں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شیطان لعنتی نے فرشتوں کے ہمراہ ایک طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ پھر اس کا جو انجام ہوا۔ وہ واضح ہے ۵۱؎

نسب پر فخر و ناز: رسول اکرم ﷺ نے نسب پر فخر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ....

سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام خاک سے پیدا کیے گئے ہیں ۵۲؎

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ....

نسب پر فخر جائز نہیں نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا جائز نہیں۔ دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں۔ انھیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں، نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں۔ اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں ۵۳؎

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی تو قریش کے سردار اور شرفاء کہنے لگے کہ "اس حبشی غلام کا یہ درجہ ہوا کہ اس کو اذان کہنے کا حکم دیا گیا" تب یہ آیت نازل ہوئی ....

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ۵۴؎

تم میں جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت وانذر عشیرتک الاقربین ۵۵؎ یعنی اے محبوب (ﷺ) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ" نازل ہوگا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر ایک ایک قبیلہ کو پکارا کہ اے گروہ قریش! تم اپنی جانوں کو بچاؤ کیونکہ اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔ اے صفیہ (بنت عبدالمطلب) محمد (ﷺ) کی

پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آؤ نگا۔ (حتی کہ فرمایا) اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میرے مال میں سے جتنا چاہے مانگ لو مگر اللہ کے ہاں میں تمہارے بھی کام نہیں آؤں گا۔ ۵۶

حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ....

اگر حضور اکرم ﷺ کی قرابت آپ ﷺ کے قریبی عزیزوں کے کام آنے والی ہوتی تو آپ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو عبادت کی مشقت سے رہائی دیتے تاکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا آرام سے زندگی بسر کرتیں۔ اور دونوں جہان میں ان کا بیڑا پار ہوتا۔ اگرچہ قرابت والے کو آپ ﷺ کی شفاعت کی بڑی امید ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسا بڑا گناہ کیا ہو جو شفاعت کا اہل اس کو نہ بنا سکے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے..........

ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ ۵۷

اور نہیں شفاعت فرمائیں گے مگر اس کی جس سے خداوند تعالیٰ خوش ہو یا راضی ہو۔

من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ ۵۸

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے۔

ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہٗ ۵۹

اور اس (اللہ تعالیٰ) کے پاس اسی کو شفاعت سے فائدہ ہوگا جس کے لیے وہ اجازت دے گا۔ نیز شفاعت کی امید میں خلاف شریعت من مانی کام کرنا ایسا ہے گویا بیمار ہے اور پرہیز نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کھاتا ہے اس اُمید پر کہ اس کا باپ طبیب کامل ہے۔ ایسے شخص کو بتانا چاہیے کہ کوئی مرض ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ وہ علاج قبول نہ کرے اور طبیب کی حذاقت (دانائی) رکھی رہ جائے بلکہ مزاج کو ایسا رکھنا چاہیے کہ طبیب اس کی مدد کرسکے اور جو شخص بادشاہ کا مقرب ہو وہ تمام حالتوں میں کسی کی سفارش نہیں کرے گا بلکہ جب بادشاہ کسی سے خفا ہو تو شفاعت کسی کی کام نہیں آئے گی۔ اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے۔ جو خدا کی ناخوشی کا سبب نہ ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی نارضامندی معصیت کے اندر ہے۔ جس گناہ کو بندہ کم بھی سمجھے وہ اس کی ناخوشی کا سبب ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:-

وتحسبونہ ھینا و ھو عند اللہ عظیم ہ ۶۰

اور تم اس گناہ کو چھوٹا سمجھتے ہو لیکن خدا کے نزدیک وہ بڑا ہے۔

اسی طرح تمام مسلمانوں کو شفاعت کی امید ہے لیکن اس امید سے عقلمند لوگ نڈر اور بے خوف نہیں ہوں گے اور جب دل میں خوف ہو تو غرور اور عُجب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ۶۱

اس کے علاوہ وہ امور جن سے خود پسندی پیدا ہوتی ہے جس کی آٹھ قسمیں ہیں ان کی تفصیل اور

علاج کی ترکیب جاننے کے لیے حجۃ الاسلام حضرت علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی نامور کتاب "احیاء العلوم" جلد سوم کا مطالعہ کریں۔

حوالہ جات

۱ جامع فیروز اللغات اردو کلاں باب ۴

۲ مصباح اللغات عربی اردو کلاں باب ۴ صفحہ ۵۳۳

۳ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۹ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۴ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۷ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

۴ خطبات غزالی (الاربعین للغزالی) صفحہ ۱۳۴

۵ ایضاً

۶ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۷ (ترجمہ از۔ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

۷ ایضاً

۸ قرآن مجید پارہ ۱۰ سورۂ توبہ آیت ۲۵

۹ کنز الایمان

۱۰ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۶ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۰ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۱۱ قرآن مجید پارہ ۲۸ سورۂ حشر آیت ۲

۱۲ کنز الایمان

۱۳ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۶ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۰ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۱۴ قرآن مجید پارہ ۱۶ سورۂ کہف آیت ۱۰۴

۱۵ کنز الایمان

۱۶ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۶ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۰ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۱۷ قرآن مجید پارہ ۲۷ سورۂ نجم آیت ۳۲

۱۸ کنز الایمان

۱۹ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۷ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۱ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۲۰ ایضاً

۲۱ صحیح مسلم کتاب الآداب باب استحباب تغییر اسم برہ الیٰ زینب۔ تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۷ سورۂ نجم آیت ۳۲

۲۲ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۶ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

۲۳ خطبات غزالی (الاربعین للغزالی) صفحہ ۱۳۴

۲۴ کنز العمال جلد ۱۶ نمبر ۴۵ حدیث ۴۳۸۶۶ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۶ (مترجم)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۰ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۲۵ الترغیب والترہیب جلد سوم صفحہ ۱۵۷ کتاب الاداب۔ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۶ (مترجم)

۲۶ کیمیائے سعادت (مترجم) صفحہ ۶۷۶

۲۷ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۹۹، ابواب الفتن۔ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۱ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۲۸ قرآن مجید پارہ ۲۹ سورۂ مدثر آیت ۶

۲۹ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۵۰ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۴ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

۳۰ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۱ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۷ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

۳۱ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۱ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی

۳۲ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۷۷ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

۳۳ ایضاً۔

۳۴ ایضاً صفحہ ۶۷۶

۳۵ ایضاً صفحہ ۶۷۷۔ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۳ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)

احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۹ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)

۳۶ ایضاً

۳۷ ایضاً صفحہ ۸۳۹، ۶۵۵

۳۸؎ قرآن مجید پارہ ۱۰ سورۂ توبہ آیت ۲۵
۳۹؎ کنزالایمان
۴۰؎ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۴۰ (ترجمہ از محمد صدیق ہزاروی)
احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۵۶ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)
۴۱؎ قرآن مجید پارہ ۱۸ سورۂ نور آیت ۲۱
۴۲؎ کنزالایمان
۴۳؎ صحیح بخاری کتاب المناقب
۴۴؎ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۱ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)
احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۶۴۷ (ترجمہ از علامہ فیض احمد اویسی)
۴۵؎ الاربعین للغزالی موسوم بہ خطباتِ غزالی صفحہ ۱۳۵
۴۶؎ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۵ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)
۴۷؎ ایضاً صفحہ ۸۳۸
۴۸؎ ایضاً صفحہ ۸۳۹
۴۹؎ الاربعین للغزالی موسوم بہ خطباتِ غزالی صفحہ ۷۔۱۳۶
۵۰؎ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ کہف باب قولہ و اذ قال موسیٰ لفتاہ۔
۵۱؎ احیاء العلوم جلد سوم صفحہ ۸۳۲ (ترجمہ از علامہ محمد صدیق ہزاروی)
۵۲؎ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۸۱ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)
۵۳؎ اراۃ الادب لفاضل المنسب صفحہ ۴۷
۵۴؎ قرآن مجید پارہ ۲۶ سورۂ حجرات آیت ۱۳
۵۵؎ قرآن مجید پارہ ۱۹ سورۂ شعراء آیت ۲۱۴
۵۶؎ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ شعراء باب و انذر عشیرتک الاقربین۔
۵۷؎ قرآن مجید پارہ ۱۷ سورۂ انبیاء آیت ۲۸
۵۸؎ قرآن مجید پارہ ۳ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵
۵۹؎ قرآن مجید پارہ ۲۲ سورۂ سبا آیت ۲۳
۶۰؎ قرآن مجید پارہ ۱۶ سورۂ کہف آیت ۱۰۴
۶۱؎ کیمیائے سعادت صفحہ ۶۸۲ (ترجمہ از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی)

دعوت و ارشاد کے قرآنی اصول

از قلم: پروفیسر حبیب اللہ چشتی، پاکستان

کوئی بات کتنی ہی بلند پایہ اور ارفع و اعلیٰ کیوں نہ ہو اگر اسے مناسب وقت، موثر الفاظ اور خوبصورت انداز سے بیان کیا جائے تو وہ بے اثر ہو جائے گی اور اپنی قدر و قیمت کھو دے گی اور دعوت و ارشاد تو کام ہی ایسا ہے جس میں آپ نے دوسروں کی رائے اور فکر کو تبدیل کرنا ہے۔ اپنی رائے اور فکر ہر کسی کو بڑی محبوب ہوتی ہے۔ ایک بت پرست کو بتوں سے کم و بیش اتنی ہی عقیدتیں ہوتی ہیں جتنی ایک موحد کو ذات باری تعالیٰ سے اور دعوت حق کو قبول کرنے میں تو کبھی کبھی بڑے بڑے امتحانوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے، خواہشاتِ نفس کو کچلنا پڑتا ہے، معاشرہ سے ٹکرانا پڑتا ہے اور مفادات قربان کرنے پڑتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب مئے لا الہ کا نشہ چڑھ جائے تو انسان ہر مشکل میں لذت محسوس کرتا ہے اور رضائے محبوب کی خاطر ہر مصیبت کو ہنس کر قبول کرتا ہے۔

دشتِ طلب میں ہر سو کانٹے دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پہ چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

بظاہر تو یہ راستہ بڑا کٹھن اور دشوار ہے۔ اگر داعی سلیقہ اور تدبر سے دعوت نہ دے گا تو یہ دلوں میں اترے گی کیسے؟ اور افکار کے دھارے تبدیل کیسے ہوں گے؟ اور ایک انسان میں خواہشاتِ نفس اور مادی مفادات کو ٹھکرا کر راہِ حق کی پُر خار راہوں پر چلنے کا جذبہ کیسے پیدا ہوگا۔

خدائے لم یزل نے اگر امت محمد یہ کو دعوت کا مکلف ٹھہرایا ہے تو اس نے اپنی لاریب کتاب میں دعوت و ارشاد کے ابدی اصولوں کو بھی اتنے دلکش اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے جو ایک مبلغ اور داعی کے لیے دعوت کا ایک کامل نصاب ہے۔ خدا لگتی یہ ہے کہ دعوت و ارشاد کے یہ خدائی اصول اپنا لینے سے دعوت کے برگ و بار کا اتنا ہی تعلق ہے جتنا سورج سے روشنی یا چاند سے چاندنی کا اور ان سے انحراف دعوت کی بے ثمری اور ذلت و نکبت کا دوسرا نام ہے۔ ان سے اعراض کر کے دعوت دعوت نہیں رہتی صرف ایک فن بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین. و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصبرین واصبر وما صبرک الا بالله ولا تحزن علیهم ولا تک فی

ضیق مما یمکرون. ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون.

''اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کرو۔ بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ اس کی راہ سے بھٹکا ہوا کون ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور صبر کرو اور تمہارے صبر و توفیقِ ایزدی سے ہی ہے اور تم ان پر غم نہ کرو اور جو تدبیریں وہ کر رہے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہو۔ بے شک اللّٰہ انھیں کے ساتھ ہے جو پرہیزگار اور احسان کرنے والے ہیں۔''

ان آیاتِ طیبات میں غور کرنے سے دعوت و ارشاد کے درج ذیل اصول آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہیں۔

(۱) حکمت (۲) موعظ حسنہ (۳) جدال احسن (۴) استغناء (۵) عفو و درگزر کرنا (۶) صبر و استقامت (۷) تقویٰ و احسان۔ ان سنہری اصولوں کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو:

حکمت: بات کتنی ہی اعلیٰ اور خوبصورت کیوں نہ ہو اگر اسے مدلل پیرایہ، جچے تلے الفاظ، مناسب موقع اور مخاطب کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے بیان نہ کیا جائے تو وہ اپنا اثر کھودے گی۔ دعوت کے اسی اصول کو یہاں حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے کہ بات کو انتہائی دانشمندی اور خوبصورت الفاظ میں بیان کرے، مدعو کی علمی و ذہنی سطح کو ملحوظ خاطر رکھے۔ مناسب جگہ اور وقت کا انتخاب کرے۔ مدعو کے جذبات کا احترام کرے۔ اس کی عزتِ نفس کی پاسداری کرے۔ انداز ایسا ہو جو مخاطب کے جملہ شبہات کو زائل کردے اور دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللّٰہ علیہ حکمت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

الحجۃ القطعیہ المذیحۃ للشبہ

''ایسی قطعی دلیل جس سے شبہات کے بادل چھٹتے چلے جائیں۔'' پھر فرماتے ہیں۔ انھا الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع ''حکمت دل میں اتر جانے والے کلام کا دوسرا نام ہے۔''

مدعو کی علمی اور فکری سطح کو ملحوظ خاطر رکھنا بھی حکمت ہے۔ ایک فلسفی سے اس کی استعداد کے مطابق اور ایک کسان سے اس کی سمجھ کے مطابق بات کرنا سب حکمت کے ہی انداز ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ نے رکانہ پہلوان کے مطالبہ پر اس سے کشتی جیت کر اسے اسلام کا گرویدہ بنا لیا تھا کیونکہ اس کے نزدیک صداقت کا معیار کوئی فلسفیانہ دلیل نہیں بلکہ کشتی تھی۔ یہ بھی حکمت کا ایک پہلو ہے کہ یہود کے علمی اعتراضات کے جوابات علمی انداز میں دیے اور لاجواب کیا اور مشرکین کے مطالبہ پر چاند شق کر کے انھیں

انگشت بدنداں کردیا۔

مدعو کے ذاتی مسائل کو سمجھ کر انھیں ملحوظ خاطر رکھ کے اسے دعوت دینا حکمت کی ہی ایک تعبیر ہے۔ فرض کیجیے ایک آدمی مالی مشکلات کا شکار ہے اسے بتایا جائے کہ عبادت اور تقویٰ کی دنیاوی برکات یہ ہیں کہ اس کے لیے آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کو حل کرنے کے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔ تو ظن غالب ہے کہ دعوت اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں بیٹھ جائے گی۔ شاید مصارف زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کو اسی حکمت سے شامل کیا گیا ہو۔ ایسے ہی جس کا سکونِ قلب غارت ہو کے رہ گیا ہے اسے بتایا جائے کہ سکون کا منبع ذاتِ الٰہی ہے اور اس کے قرب کے سوا سکون کے سب راستے سراب سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتے تو امید ہے وہ دعوت قبول کرے گا۔ الغرض حکمت ہی تاثیرِ دعوت کا مرکزی نقطہ ہے۔

موعظہ حسنہ: بات جتنی بھی وزنی اور زوردار کیوں نہ ہو اگر اسے پہنچانے میں خلوص کا جذبہ کارفرما نہ ہوتو وہ قطعاً مؤثر نہیں ہوسکتی۔ داعی کے ایک ایک لفظ اور ہر ہر ادا سے خلوص اور محبتوں کا اظہار ٹپک رہا ہو اسی کو موعظہ حسنہ کہا جاتا ہے۔ امام راغب اسی پس منظر میں فرماتے ہیں:

هو التذكير بالخير فيما يرق له القلب "وہ نصیحت جو دلوں کو موم کردے۔"

موعظہ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ داعی صرف خشک دلائل کے انبار نہ لگائے بلکہ مدعو کے لیے سراپا خلوص بن کے محبت بھرے انداز میں اسے دعوت دے جیسا کہ حضور نبی رحمت ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اکثر اعرابی کوئی عجیب وغریب حرکت کا ارتکاب کردیتے لیکن نبی رحمت ﷺ انھیں ایسے دلنشیں انداز میں سمجھاتے کہ اسلام کی عظمتیں ان کے دلوں میں گھر کر جاتیں۔

ایک مرتبہ ایک بدّو مسجد میں پیشاب کرنے لگ گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے مارنے کو دوڑے۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو۔ جب وہ فارغ ہوا تو آپ نے انتہائی محبت بھرے انداز سے اسے سمجھایا کہ مسجدیں صرف یادِ الٰہی کے لیے ہوتی ہیں اور مسجد کو صاف کروادیا یہی چیز اس کے دل میں اسلام کی عظمتوں کا سکہ بٹھا گئی۔ اسی محبت بھرے جذبہ سے دعوت پہنچانے کو موعظہ حسنہ کہا جاتا ہے۔ داعی کو یہ بھی چاہیے کہ وہ مدعو کے اندر چھپے ہوئے جذبۂ خیر کو بیدار کرے۔ اگر داعی مدعو کو حقیر سمجھنے لگے اور اس کے جذبات کا احترام نہ کرے تو یہ دعوت اپنا اثر کھودے گی۔ قرآن وسنت سے وعدہ اور وعید کے احکام سنانا بھی موعظہ حسنہ کا ہی ایک پہلو ہے۔

جدال احسن: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کبھی دورانِ دعوت مدعو بحث ومناظرہ پر اتر آئے تو داعی کو

چاہیے کہ وہ انتہائی خوش اسلوبی سے اس سے بحث کر کے اس کے اعتراضات کا جواب دے۔ بحث نہ تو کوئی لڑائی جھگڑے کا روپ دھارے اور نہ ہی علمی برتری کے اظہار کا ایک موقع بن کے رہ جائے۔ اگر مدعو کو لاجواب کرنے کا ہی شوق سر پر سوار رہے تو ممکن ہے کہ وہ لاجواب تو ہو جائے لیکن آپ کی دعوت کو قطعاً قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے مناظرہ سے مقصود دوسرے کو کم علم ثابت کرنا ہی نہ ہو بلکہ اس کے شبہات کو زائل کر کے اسے راہِ حق پر گامزن کرنا ہو۔ کسی کو لاجواب کرنا آسان ہوتا ہے لیکن قائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے ایک سرکش گھوڑے کو گولی مار کے مار دینا آسان ہے لیکن اسے سدھارنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے مناظرہ سے مقصود کسی کو گھائل کرنا نہ ہو بلکہ اسے راہِ حق پر گامزن کرنا ہو۔ ایک دانشور کا قول ہے کہ اگر دورانِ بحث اپ کو ایک ایسی دلیل یاد آجائے کہ جسے سن کر آپ کا مخاطب نہ صرف لاجواب ہو جائے بلکہ مکمل طور پر گھائل ہو جائے تو آپ وہ دلیل ضائع کر دیں لیکن بندہ ضائع ہونے سے بچالیں۔ حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے جدال احسن کی تفسیر کتنے دلربا انداز سے فرمائی ہے:

''فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار نہ لگاتے جاؤ بلکہ تمہارا انداز خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کے چشمے اُبل رہے ہوں۔ آپ کی آواز کا زیر و بم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اگر بھٹکا ہوا راہی آمادہ پیکار ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت پہنچ جائے تو تم احسن اور عمدہ طریقے سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سر بلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اسے اس میدان مین قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس معیار پر پورا اترنے کے لیے علم و آگہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارمِ اخلاق اور محاسن خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے اور یہ نعمت کسی صاحب دل کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے''۔

ہر شخص کو اپنی رائے بڑی محبوب ہوتی ہے وہ اپنی رائے اس صورت میں کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر آپ اسے حقیر یا جاہل ثابت کرنے پر تُل جائیں تو اس کی انا پرستی بیدار ہو جائے گی اور وہ قبولِ حق سے بہت دور چلا جائے گا۔ دورانِ بحث کوئی ایسی بات نہ کریں جو مخاطب کو رنجیدہ کرنے والی ہو۔ مثلاً آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس نے فلاں کتاب نہیں پڑھی۔ اگر اس سے بلاواسطہ پوچھا جائے کہ کیا آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ بھرے مجمع میں اس کا اقرار تو نہیں کرے گا الٹا بات کو الجھا دے گا۔ اگر آپ اسے یہی بات یوں کہیں کہ فلاں کتاب میں یوں ہے وہ آپ کی نظر سے بھی گزری ہوگی۔ تو یہ اندازِ گفتگو اُسے آپ کا قائل کرنے کے لیے زیادہ مناسب رہے گا۔

یاد رہے کہ مذکور بالا تینوں طریقوں کا اطلاق بیک وقت بھی ہو سکتا ہے اور شاید یہ لوگوں کے مزاج

مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ کچھ لوگ فلسفی اور حکیم ہوتے ہیں انھیں حکمت سے تبلیغ کریں۔ کچھ سادہ لوح ہوتے ہیں انھیں موعظہ حسنہ سے دعوت دیں اور کچھ بحث وتمحیص میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھیں جدال احسن سے حق کی طرف بلایا جائے۔ الغرض اسلام اپنے پیروکاروں کو ایک ایسا جامع طریق دعوت دیتا ہے جو ہر کسی کی تشنگی کا ساماں کرسکے۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پاگئے ☆ عقل غیاب وجستجو، عشق حضور واضطراب

عملی تبلیغ: مذکورہ بالا تینوں اشیاء قولی بھی ہوسکتی ہیں اور عملی بھی۔ قولی تو ذکر ہو چکا۔ عملی سے مراد یہ ہے کہ عملی طور پر اس چیز کا اثبات کیا جائے مثلاً حکمت یہ ہے کہ مخاطب کی نفسیات اور اس کی علمی سطح کو دیکھتے ہوئے اسے دعوت دی جائے۔ اب عملی حکمت یہ ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جو مدعو کی تشفی کرسکے مثلاً چند فلسفی کسی بزرگ کے پاس گئے وہ الفاظ کی تاثیر کا انکار کر رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ تم خواہ مخواہ کہتے ہو کہ قرآن مجید کے الفاظ میں یہ تاثیر ہے بھلا الفاظ تو الفاظ ہیں ان کا تاثیر سے کیا تعلق۔ انھوں نے فلسفیوں سے فرمایا تم سب گدھے ہو۔ یہ سنتے ہی فلسفی غصہ میں آگئے ان کے چہرے تمتمانے لگے۔ اور غیظ وغضب ان کی گفتگو سے ٹپکنے لگا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ دیکھو میں نے تمہیں ایک ایسا لفظ کہا جو دراصل غلط اور خلاف واقع تھا لیکن یہ اس کی تاثیر ہی ہے کہ تم اتنے شدید غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہو۔ جب اس لفظ میں تاثیر ہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام جو مبنی بر حقیقت ہے اس کی تاثیر کیوں نہ ہو۔ اسی عملی حکمت نے فلسفیوں کو تاثیرِ الفاظ کا قائل بنا دیا۔

ایسے ہی موعظہ حسنہ قولی بھی ہوسکتا ہے اور عملی بھی۔ مثلاً ایک صاحب جو حسن صورت کے فریفتہ ہوگئے تھے۔ ان کے شیخ انھیں حسن صورت کے دام سے نکال کر حسن سیرت کا گرویدہ بنانا چاہتے تھے تو یہاں موعظہ حسنہ قولی تو یہ تھا کہ انھیں سمجھایا جاتا کہ اصل چیز سیرت ہے نہ کہ صورت اور انھیں ایسے الفاظ میں اس حقیقت کو سمجھایا تھا۔

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا
نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف (اقبال)

لیکن اُن بزرگ نے اسی چیز کو سمجھانے کے لیے موعظہ حسنہ عملی کا طریقہ اختیار کیا۔ کیونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ موثر ہوتا ہے۔ انھوں نے جس پر وہ فریفتہ تھے اسے مسہل دوائیں کھلائیں، کثرتِ اسہال کی وجہ سے اس کی رنگت بدل گئی اور ہیئت تبدیل ہوگئی۔ جب اس مرید نے اسے دیکھا تو نفرت کا اظہار کرنے لگا تو شیخ نے اسے کہا تجھے اس کے جسم سے خارج ہونے والے مواد سے محبت تھی ورنہ وہ ذات تو اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ اس موثر دعوت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت توبہ کرلی۔

ایسے ہی جدال احسن بھی عملی ہوتا ہے اور اس کی تاثیر جدال قولی سے بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ عموماً مدعو کو قائل ہوئے بغیر کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کچھ دہریوں نے روح کے امر ربی ہونے کا انکار کیا کہ روح تو گردشِ خون سے ہوتی ہے اس کا امرِ ربی ہونے سے کیا تعلق ہے؟

حضرت شبلی نے بھرے مجمع میں اپنی شہ رگ کاٹ دی یہاں تک کہ ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچڑ گیا تو آپ نے فرمایا اگر روح امر ربی نہیں تو بتاؤ اب میں کیوں زندہ ہوں جب کہ میرے خون کا آخری قطرہ بھی بہہ گیا ہے۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد کیا مجالِ انکار رہی ہوگی۔

حضرت سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جب علما میں کسی حدیث کی سند کے متعلق اختلاف ہوجاتا تو وہ آپ کے پاس حاضر ہوتے آپ باوجود اُمّی ہونے کے اس حدیث کے متعلق فیصلہ فرماتے کہ یہ حدیث دراصل حدیث ہے یا موضوع روایت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی کیفیت میں کوئی مولوی صاحب آپ کی بات نہ مان رہے تھے تو حضرت سائیں توکل شاہ نے جلال میں آکر فرمایا وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث میری نہیں ہے۔ انھوں نے دیکھا تو واقعی وہاں سرکار دوعالم ﷺ تشریف فرما تھے۔ یا جیسے حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے رُخ پر اعتراض کرنے والوں کو بیت اللہ دکھایا۔ جدال احسن عملی کے بعد انکار کی گنجائش رہتی ہی نہیں ہے۔ آج کل دعوت کی ناکامی کا بڑا سبب یہی ہے کہ دعوت صرف قولی ہے عملی دعوت مفقود ہے اور عملی دعوت کا ملکہ اہلِ تصوف کے در کی دریوزہ گری سے ملتا ہے۔ چونکہ الا ماشاء اللہ تصوف بھی برائے نام ہی رہ گیا اور داعیان کا ان سے رابطہ رہی رہ گیا۔ لہٰذا ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوگئے۔

توفیقِ عمل مانگ نیاگان کہن سے　　　　شاہان چہ عجب گر بنوا زند گدا را

استغناء: اگر داعی کسی بھی قسم کی حرص وطمع کا مظاہرہ کرے گا تو وہ مدعو کی نظروں سے گر جائے گا اور نظروں سے گرے ہوئے آدمی کی بات بے وزن ہوجاتی ہے۔ اس لیے دعوت کا سارا عمل رائیگاں چلا جائے گا۔ اس لیے داعی کو خود دار اور عزت نفس کا محافظ ہونا چاہیے۔ انبیا کرام علیہم السلام کی دعوت کے پس منظر میں ان کا یہ فرمان قرآن مجید میں اکثر ذکر کیا گیا ہے:

ما سألتکم من اجر ان اجری الا علی اللّٰہ

''میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اس کا اجر مجھے اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا۔''

قرآنی تعلیمات کے مطابق داعی کی خودداری اور عزتِ نفس کا یہ عالم ہونا چاہیے کہ اسے اپنی دعوت کے ثمرہ سے بھی مستغنی ہوجانا چاہیے۔ حالانکہ دعوت کا ثمرہ اور نتیجہ ایک مطلوب چیز ہے لیکن داعی کو اس سے

بھی استغناء برتنے کا حکم ہے۔ مدعو اثر قبول کرے یا نہ کرے وہ داعی کی تعریف کرے یا مذمت۔ داعی ان سب باتوں سے بے نیاز ہو کر دعوت کے کام میں لگا رہے اور اسی کو غنیمت جانے کہ اس نے اپنے مولا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا ہے۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم ☆ شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال احسن کے تذکرہ کے بعد آداب دعوت کے ضمن میں اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا گیا: انّ ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین. ''بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ انھیں بھی خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں۔''

عفوُ در گزر: انسان عموماً منتقم مزاج واقع ہوا ہے۔ انتقام لینے سے انسان کسی کا سر تو پھاڑ سکتا ہے، اس کا انگ انگ توڑ سکتا ہے لیکن اس کے دل میں اپنی محبت کے چراغ نہیں جلا سکتا۔ دل جبھی فتح ہوتے ہیں جب انتقام نہیں عفو و درگزر کا راستہ اپنایا جاتا ہے۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔

''بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہوتے تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن تمہارا بہترین دوست بن جائے گا۔''

داعی ایک بہت اعلیٰ مقصد رکھتا ہے اسے بھی چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو پیچھے چھوڑے اور مقصد کو آگے رکھے۔ انتقام کا وطیرہ نہ اپنائے بلکہ عفو و درگزر کی راہوں کا راہی بنے تا کہ اس کا پیغام دلوں میں اترتا چلا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی نشر و اشاعت کا ایک بہت بڑا سبب ایسا ہی اعلیٰ اخلاق ہے۔ فتح مکہ کے دن جب جان کے دشمنوں کو لا تثریب علیکم الیوم کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا تو ہزاروں دل اسلام کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے۔

کچھ ان کے خلق نے کر لی کچھ ان کے پیار نے کر لی ☆ مسخر اس طرح دنیا شہہ ابرار نے کر لی

اللہ رب العزت نے داعی کو یہی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔ **وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصبرین.**

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ کیا گیا ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے۔

صبرو استقامت: زندگی کے کسی بھی کام میں اگر پامردی اور استقامت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو ناکامی

ونامرادی ہی مقدر بنتی ہے اور دعوت تو اتنا مہتم بالشان اور عظیم کام ہے کہ اس کے ثمرات پوری انسانیت تک پھیلتے ہیں۔ اس کے لیے تو صبر واستقامت کی بے پناہ ضرورت ہے۔ دعوت میں عدم تسلسل، مدعو کے انکار واستہزاء سے بددل ہوجانا یا مصائب وآلام میں ہمت ہار بیٹھنا یہ چیزیں داعی الی اللہ کے شایانِ شان نہیں ہوتیں۔ داعی کو ہمیشہ داعی اعظم ﷺ کے اس فرمان کو مدنظر رکھنا چاہیے جو آپ نے قریش کی دھمکیوں اور پیشکشوں کے جواب میں فرمایا تھا:

"اے میرے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ سوچیں کہ میں دعوتِ حق کو چھوڑدوں تو یہ ناممکن ہے یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لیے اپنی جان قربان کردوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔"

میاں عبدالرشید مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ نیکی کے مبلغ زیادہ ہیں اور برائی کے کم لیکن برائی کے مبلغ برائی پھیلانے میں مخلص ہیں۔ اور نیکی کے مبلغ نیکی پھیلانے میں مخلص نہیں ہیں الا ماشاء اللہ۔ اگر نشے کا ایک عادی کسی محلے میں آبستا ہے۔ وہ نشہ پھیلانے میں شب وروز ایک کردیتا ہے۔ نہ گالیوں کی پرواہ کرتا ہے اور نہ دھمکیوں کی اور کتنے ہی لوگوں کو وہ نشے کا عادی بنالیتا ہے۔ لیکن اگر نیکی پھیلانے والے اپنے مفادات اور آرام وآسائش کو آڑے لے آئیں تو کتنے افسوس کی بات ہے۔

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد ہمیشہ فرمایا کرتے تھے رحم اللہ ابا الهیثم غفر اللہ الهیثم اللہ تعالیٰ ابی الہیثم پہ رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشے۔ میں نے دریافت کیا قبلہ! یہ ابی الہیثم کون ہے؟ جس کے لیے آپ ہر وقت دعا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بغداد کا لوہار تھا اور چوری کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب مجھے خلقِ قرآن کا اقرار نہ کرنے کے جرم میں سپاہی کوڑے لگانے کے لیے لے جارہے تھے وہ میرے پاس آیا اور مجھے اپنی پیٹھ دکھا کر کہنے لگا کہ مجھے چوری کی عادت ہے اور اس جرم میں میری پیٹھ پر اٹھارہ ہزار کوڑے لگ چکے ہیں۔ لیکن اتنی سزا کے باوجود میں نے چوری ترک نہیں کی۔ تم چند کوڑوں کے خوف سے کہیں حق کو نہ چھوڑ دینا۔ مجھے اس کی نصیحت سے بہت استقامت حاصل ہوئی اس لیے میں اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔

اس راہ میں کبھی مشکلات پیش آتی ہیں اور کبھی پیشکشیں کی جاتی ہیں اور پیشکش کی آزمائش زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جب امام احمد بن حنبل کو سزائیں دینے کے بعد انھیں انعام واکرام کی پیشکش کی گئی تو پکار اٹھے واللہ! یہ مصیبت پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اسی صبر واستقامت کی تعلیم دیتے ہوئے اصولِ دعوت کے ضمن میں ہی ارشاد باری تعالیٰ ہے: واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون. .... باقی صفحہ ۱۴ پر

انوارِ ساطعہ! ایک تعارف

تحریر: محمد افروز قادری چریا کوٹی، ڈائرکٹر: نعمانی اکادمی، چریا کوٹ

[مکرمی زبیر قادری صاحب...... ھدیۂ سلام ورحمت! آپ شاید واقف ہوں گے کہ دیوبندیوں کی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" انوار ساطعہ کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ انوار ساطعہ کیسی معیاری کتاب ہے اور اس میں کیا کچھ گہر پنہاں ہیں، مَیں نے اس تعارف میں اس کی ایک جھلک دکھا دی ہے۔ مگر دراصل انوار ساطعہ کے اندر کنزِ مخفی یہ ہے کہ امام احمد رضا نے اس پر ایک تفصیلی تقریظ رقم فرمائی ہے۔ جس سے کتاب سندِ اعتبار سے ہمکنار ہوگئی ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ محققین کا عملہ اب تک اس طرف متوجہ نہیں ہوا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ یہ کتاب زمانہ سے موقوف الاشاعت ہے۔ بہر حال علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب کے ایماء پر کتاب اور تقریظ کا تعارف پیش ہے۔ امید کہ کسی قریبی شمارے میں شائع کر کے عاشقانِ رضا کی محفل میں ایک نئی جوت جگائیں گے۔]

☆......☆......☆......☆......☆

عظمتِ سرورِ کونین ہے پونجی اپنی

جان دے کر بھی یہ سرمایہ بچائے رکھیے

عقاید و اعمال کو تحفظ و تقدس بخشنے والی بہتیری کتابیں اور معمولات اہل سنت و جماعت کو اجاگر کرنے والے ڈھیروں رسائل ولٹریچر زیور طبع سے آراستہ ہو کر بازارِ علم میں نہ صرف اُتر چکے ہیں بلکہ عوام و خواص سے سندِ قبولیت بھی پا چکے ہیں۔ میلاد و قیام اور درود و فاتحہ عصر حاضر کے کسی بریلوی مکتب فکر کے عالم کا نوساختہ مسئلہ نہیں جس سے اغماض برتا جائے بلکہ صدیوں سے یہ چیزیں اُمت کے درمیان رائج و معمول اور خوش عقیدہ مسلمانوں کا مایۂ امتیاز ہیں۔ یہ محض زبانی یا تحریری دعویٰ خام نہیں، ان سچائیوں کو صدیوں کی بساط پر پھیلی انمٹ شہادتوں نے اپنے سینہ و دل میں محفوظ کرلیا ہے اور علماے امت نے ان حقائق کو اپنی جیتی جاگتی کتابوں میں صداقت کی زبان دے رکھی ہے جسے نہ جھٹلایا جاسکتا ہے اور نہ پیٹھ دکھایا جاسکتا ہے۔ ساتویں صدی میں تاج الدین فاکہانی نامی ایک خبطی پیدا ہوا جس نے ان معمولات میں رخنگی ڈالنا شروع کی اور جماہیر امت کے موقف کو یک قلم نظر انداز کر کے کچھ نئے خطوط کھینچے اور خود کو خوش فکر اور خالص توحیدی کہنے والے اس پر سرپٹ دوڑ پڑے۔ اس طرح راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے خلاف ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس فتنہ نے اپنے کوکھ سے اتنے افراد جمائے کہ تیرہویں، چودھویں صدی کے اندر فاکہانی کے افکار کو اشتہار کرنے والے حشرات الارض کی طرح گلی کوچوں میں دندناتے پھرنے لگے اور صدیوں

کے تواتر سے چلے آتے ان معمولات سے آنکھیں میچ کر اور دلائل و شواہد کی ناقابل انکار سچائیوں کو جھٹلا کر ان معمولات کو شرک و بدعت کے کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔ پھر کیا تھا آوازیں اٹھیں، واویلے مچے مگر منکرین اپنی خود ساختہ غلط روش پر پامردی سے قائم رہے اور ڈٹے کیوں نہ رہتے کہ:

نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہوتا تھا ○ لأملئن جھنم تھا وعدۂ ازلی

ان فتنہ پردازوں کی دسیسہ کاریوں سے سادہ لوح مسلمانوں کی زندگی اجیرن سی ہوگئی تھی اور وہ حق و باطل کے امتیاز میں دھوکہ کھانے لگے تھے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے زبردست عالم ربانی مولانا عبدالسمیع رام پوری سہارنپوری نے نزاکتِ وقت کے پیش نظر بروقت نوٹس لی اور جاگتے فتنوں کی سرکوبی میں اپنی نقاہت تمام کے باوجود کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مولانا موصوف علم و فضل کی کن بلندیوں پر آشیاں نشیں تھے اس کا کچھ اندازہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے عطا کردہ ان القاب سے ہوسکتا ہے: مھلکی العنود، فی الزمان الموجود، اخانا فی اللہ، ذاالفضل والجاہ، والقدر الرفیع، والفخر البدیع، والعلم الوسیع، والحکم الوکیع، والجد المنیع، والمجد السنیع مولینا المولوی محمد عبدالسمیع صین عن کل شنیع و فرع و فظیع، کل مساء وسطیع۔ (انوارِ ساطعہ: ص ۲۷۵)

اور مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی (۱۳۲۷ھ) اسی کتاب پر مرقومہ اپنی تقریظ میں القابات کی بارش یوں کرتے ہیں: المولی الکریم، النبیہ الفخیم، مولی البلاغة والیراعہ، مالك ازمة الطرس والبراعہ، عالی الکعب کعبة المعالی، والی المجد الشافخ والعز المصمد والمحل العالی صاحب المقام الرفیع والجاہ المنیع المولوی عبدالسمیع اللھم بارك له فی رزقه و حسناته والنشر للناس برہ و عوارفه و برکاته۔ (انوارِ ساطعہ: ص ۲۸۲)

"انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ" مصنفہ: مولانا عبدالسمیع صاحب پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی اور بقول مصنف بہت کم عرصہ میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئی۔ طبع مکرر کے لیے احباب مصر ہوئے اور تقاضے کے خطوط متواتر آنے لگے بالآخر گلوگیری تمنائے مشتاقین نے مجبور کردیا اور نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے بعد ۱۳۰۷ھ میں مطبع نعیمی مراد آباد سے اسے دوبارہ طباعت آشنا کرنا پڑا۔ کتاب کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۰۰ ہے۔

قارئین کرام! یہی وہ کتاب ہے جس کے مندرجات بدعقیدوں خصوصاً مولوی رشید احمد گنگوہی کو ایک نہ بھائے، زبان و بیان کی نزاکت و لطافت بالکل نہ جچی، ان کے سینوں پہ جیسے سانپ لوٹنے لگے اور انہیں مجموعی طور پر اپنی سیادت و قیادت معرضِ خطر میں ڈولتی محسوس ہوئی۔ دل تو محبت رسول سے خالی تھا اور اس کتاب کی سطر سطر سے سرور کائنات ﷺ سے عشق و عقیدت کا نور چھن رہا تھا۔ لہٰذا اس کا تدارک ان

لوگوں نے اپنے لیے واجبی سمجھا اور دوسال کی زبردست کوشش کے بعد مصنف کے پیر بھائی گنگوہی صاحب اس کے جواب میں "براہین قاطعہ بجواب انوار ساطعہ" لے کر آ دھمکے۔ اس طرح دل کے بھبھوکے موئے قلم کی راہ سینۂ قرطاس پر آن پڑے۔ یہ کتاب دراصل گنگوہی صاحب کے خرمن علم ہی کا خس و خاشاک ہے مگر خدا معلوم کس مصلحت نے اس کے مولف ہونے کا سہرا خلیل احمد انبیٹھوی کے سر باندھ دیا۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب اس کے جواب کے لیے خود کو میدان میں اُتارنے اور اس کے دلائل و براہین کے لات وہبل کرچی کرچی کرنے کی خواہش رکھتے تھے مگر پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ہدایتیں اور مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کی نصیحتیں نیز اور بہت سی مصلحتیں اس بیچ آڑ بن گئیں۔ (مصنف نے ان تمام باتوں کا ذکر کتاب کے ص ۹ تا ۱۲ پر پوری تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ طالب تفصیل اس کی طرف رجوع لائے)

اس کتاب کی وجہ تصنیف اور اس کے جواب میں لکھی جانے والی کتاب "براھین قاطعہ" کے احوال اور اس کی علمی حیثیت کا تعین، پھر اس کے جواب نہ دینے کی علت بیان کرتے ہوئے فاضل مصنف ایک جگہ لکھتے ہیں:

"جب مانعین نے مولود شریف کرنے والوں کو احمق، ضال اور کنھیا کے جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر لکھا اور یہ کلمہ دور دور یعنی روم و شام و مصر و یمن و حرمین شریفین و بیت المقدس وغیرہ کے علماے عظام اور مشائخ کرام اگلے پچھلے احیا و اموات غرضکہ جمیع ذوات بابرکات تک پہنچتا تھا تب ان سب کی برأت اور مذہب حق کی نصرت کے لیے میں نے رسالہ "انوار ساطعہ" لکھا تھا اور اسی اخلاص نیت و انتصارِ حق کی باعث یہ رسالہ طالبان حق میں مقبول اور مشہور ہوا اور شہرہ اس کا دور دور ہوا۔ اب جو یہ کتاب براہین قاطعہ چھپی ہے، تمام لعن وطعن وغیرہ سے بھری ہوئی ہے نہ کوئی مضمون سنجیدہ نہ موزوں تقریر، جہاں تک نظر کیجیے میری ذاتِ خاص کی توہین وتحقیر بناءً علیہ مَیں اپنی ذاتِ خاص کا انتقام نہیں لیتا، اُن کے الفاظ ثقیلہ کا جواب نہیں دیتا۔ حدیث خیر الانام علیہ اکمل الصلاۃ وافضل السلام سے ہم معلوم کر چکے ہیں کہ جب تک انسان اپنی برائیوں کو سُن کر چپ رہتا ہے اس کی طرف سے فرشتہ جواب دیتا ہے اور جب یہ خود جواب دینے لگتا ہے تب وہ فرشتہ جو انتقام کو آتا ہے چپ ہو کر اپنی راہ لیتا ہے اس لیے مجھ کو منظور نہیں کہ میں بذات خود اپنے نفس کا انتقام لوں اب یہی اچھا ہے کہ قلم کو جواب سے تھام لوں۔" (انوار ساطعہ: ص ۱۰)

الغرض "انوار ساطعہ" کی سطروں میں فاضل مصنف نے علم وحکمت کے کیسے کیسے آبدار گہر چھپا

رکھے ہیں اس کا علم اس کے مطالعہ کے بغیر ناممکن ہے۔ پاکانِ اُمت کی چیدہ چیدہ عبارتوں سے مصنف نے جس طرح اپنے موقف کا اثبات کیا ہے وہ کافی زہرا گداز کام تھا۔ بلاشبہ یہ تصنیف لطیف مصنف کے تبحر علمی اور ٹھسانہ طبیعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کتاب کو اپنے موضوع پر حرف آخر کہنا چاہیے۔ اس کتاب کی توثیق اور اعتباریت کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی لوح جبیں پر مندرجہ ذیل اساطینِ امت اور اکابرینِ ملت کی تقاریظ و آراء ثبت ہیں جو اپنے اپنے وقتوں میں فضل و کمال کے آفتاب و ماہتاب سمجھے جاتے تھے:

مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا غلام دستگیر قصوری، مولانا ارشاد حسین رام پوری، مولانا اعجاز حسین رام پوری، امام احمد رضا محدث بریلوی، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا عبیداللہ بدایونی، مولانا سید عماد الدین رفاعی، مولانا وکیل احمد حیدرآبادی، مولانا نذیر احمد رام پوری، مولانا ابوالبرکات غازی پوری، مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی، مولانا عبدالمجید لکھنوی، مولانا عبدالغفور فتح پوری، مولانا محمد عادل کانپوری، مولانا محمد عبداللہ اکبرآبادی، مولانا عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی، مولانا محمد یعقوب دہلوی، مولانا محمد عبدالحق سہارنپور، مولانا محمد صادق علی مداح میرٹھی، مولانا محمد عبدالخالق فرنگی محلی، مولانا عبدالمجید فرنگی محلی، مولانا عبدالوہاب فرنگی محلی، مولانا محمد ابراہیم فرنگی محلی، مولانا عبدالعزیز فرنگی محلی، مولانا عبدالعلی مدراسی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی، مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔

مؤخر الذکر بزرگ کی تقریظ تو نہیں ہاں کتاب کے متعلق تحسین و تبریک کے کئی خطوط شاملِ کتاب ہیں۔ جس کتاب کے حصہ میں ایسے عظیم و جلیل اکابرین کے کلمات ستائش آئے ہوں اس کے کمالات و فضائل کا بیان آسان نہیں۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ ایمان کو خاشاک کرنے والی کتاب ''براہین قاطعہ'' تو ہزار ہا ہزار کی تعداد میں چھپ رہی ہے مگر ایمان و عقیدہ کو سنوارنے والی یہ کتاب نہ معلوم کیوں ابھی تک جدید طباعت سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور عمدہ طریقہ پر اس کی اشاعت ہو۔ اُمید کہ اربابِ طباعت اس پر توجہ دے کر وقت کی بڑی ضرورت کی تکمیل فرمائیں گے۔

قارئین کرام! انوار ساطعہ کے تعارف کے پردہ میں دراصل امام احمد رضا محدث بریلوی کی تقریظ کا تعارف مقصود ہے جس سے عام شناسانِ رضا کی بے خبری اپنی جگہ محققین اور فکر رضا کی فلک آسا بلندیوں کا تعین کرنے والے حضرات بھی ایک خاص حد تک اس سے غافل ہیں۔ اتنے مزے کی تقریظ جو تقریظ کی بجائے کسی تحقیقی مضمون کا مزہ دے الفاظ کی سج دھج اور جملوں کی تب و تاب میں وہ لالہ کاری کی ہے جیسے لفظ و معنی باہم بغل گیر ہو رہے ہوں یا نزاکتِ لفظی اور حسنِ معنوی کا کوئی چمن آباد ہوگیا ہو یا الفاظ

و معانی کے ارتباط سے علم و حکمت کا کوئی آبشار پھوٹ پڑا ہو۔ پوری تقریظ اوّل تا آخر پڑھ جایئے، تعقید و تنافر کا کہیں واہمہ بھی نہ گزرے گا۔ میں چاہوں گا کہ ایسی تقریظ بے نظیر سے قارئین متعارف و مستفید ہوں اور اپنی آنکھوں کو نور و سرور کی سوغات سے ٹھنڈی کریں۔

پہلے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا تعارف مصنف کتاب نے ان الفاظ میں کیا ہے:

صورة مارصعه الطمطام العزيز والصلهام الكبير مفحم المناظرين مسكت المجادلين مروج عقائد الحق والدين قالع اصول المبتدعين فريد العصر وحيد الزمان مولانا محمد احمد رضا خان سلمه الله العزيز الرحمن وصان عن نوائب الزمان و خص بلطفه ما تعاقب الملوان.

اب یہاں سے اعلیٰ حضرت کی انوار ساطعہ پر لکھی تقریظ شروع ہوتی ہے:

انوار ساطعة سطعت من سنا بدر الايمان، واقمار لامعة لمعت من سيناء صدر الايقان، فدارت و سارت، ونارت و انارت، وابى البر تدلت، وعلى البحر تجلت، فهيجت عبابا، فهيأت سحابا، فحصنات بقاعا، جنات دفاعا، وارسلت عرفا، وعصفت عصفا فحملت وقرا، فاجرت يسرا، فقسمت امرا، فاقطرت قطرا، فامطرت مطرا، ان الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد و آله وصحبه اجمعين، رب صلاة و سلاما، يعقدان دواما مجالس الأنس في حظائر القدس، التعجيل مكانه، ويقومان قياما، لوعة وغراما، في مجامع الاملاك، ومحافل الافلاك، بتعظيم شانه، وسقى الله ذو الجلال بزلال الافضلال، تربة من قال ؎

قليل لمدح المصطفىٰ الخط بالذهب　　　على فضة من خط احسن من كتب

وأن ينهض الاشراف عند سماعه　　　قياما صفوفا او جثيا على الركب

وقلت مضمنا:

سواد عيون العين سناذهب　　　ولوح نحور الحور لاح كما يحب

فان يمل جبريل لقال اولو الأدب　　　قليل لمدح المصطفىٰ الخط بالذهب

على فضة من خط احسن من كتب

يقوم بحق المدح قوم فلاته　　　تولـه وقم بالوجد قومة والـه

مخق خضوع الوجه رغما لكاره　　　وان ينهض الاشراف تحت سماعه

قياما صفوفا او جثيا على الركب

وبعدهٗ فاستمع يا سعد، ان الذى لا قبله له و لا بعد، قد قضى قبل خلق السماء وصوت الرعد، ان الواجب على كل من عبد، بعد ذكر الصمد، العمد والصمد، الى المدح والحمد، لأعظم كرم، واكرم نعم، وأجل رحمة، وأجلى منة، سيد الرسل، وهادى السبل، وامام الكل، ومكثر القل، ورافع الغل، ودافع الضل، امجد مولود، احمد محمود، واسعد مسعود، وجود الجود، واصل الوجود نعمة الجليل، و دعوة الخليل، وبشر المسيح، وبشر الذبيح، وبغية الكليم، بوادى التكليم، واكرم كريم، علیٰ ربه العظيم سيدنا ومولانا محمد النبى الامىّ الأمين، الأمان الأمان الضمان الضمين، صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، و علیٰ آله وصحبه وبارک وعظم، وقد قال عزمن قائل: الم ترى الى الذين بدلوا نعمة الله كفرا، نعمة الله محمد صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، قال ابن عباس رضى الله تعالیٰ عنهما اخرجه البخارى فى الصحيح العَلم، وقال تعالیٰ: واما بنعمة ربک فحدث فوجب التحديث بما من الله به على المومنين، من وجودهذا الحبيب المكين، عليه الصلاة و على آله الطيبين، وقال تعالیٰ: وذكرهم بأيام الله، و اى ايام الله اعظم من يوم ولادة المصطفیٰ عليه أفضل الصلاة واكمل الثناء وقال تعالیٰ: قل بفضل الله و برحمته فبذٰلک فليفرحوا، ومن عقايد الايمان ان محمدا صلى الله تعالیٰ عليه وسلم رحمة المنان، شهد بذلک الحديث والقرآن، وكذٰلک فضل الله محمد صلى الله تعالیٰ عليه وسلم تسليماً جليلا، حكاه الماوردى فى قوله تعالیٰ: ولولا فضل الله عليكم و رحمته لا تبعتم الشيطٰن الا قليلا، فقد أوجب المولیٰ سبحانه و تعالیٰ على امته، الفرحة بولادته، فحق لنا، ان نتخذ مولده عيدا، وان رغم أنف من كان بعيدا، و على هذا مضى جهابذة الأئمة، وسادة الأمة، وكاشفوا الغمة، عليهم من ربهم رضوان ورحمة، حتى جاء قوم يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم، ويتحدث بالحديث فلايكون راقيهم، اَضَلوا اصولا، ضللت المسلمين قادة و تبعاً، وفصلوا فصولا ففرقوا دينهم و كانوا شيعا، وكان مخرجهم نجد، كماجاء به الوعد، من صاحب المحمد صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فهاجوا وماجوا، وثاروا وباروا، وجاروا وحاروا، وعلى الحرمين المحترمين آغاروا، فالدماء سفكوا، والأموال ملكوا والمؤمنين فتكوا، والحرمات هتكوا، فظنوا ان اهلكوا وما هم اهلكوا ولكن هلكوا، وعما قيل يرون ما سلكوا، وكان قصارى مرامهم وقصویٰ مرماهم، وفى الشقاق والنفاق هم ماهم، ان يخمدواذكر من رفع الله ذكره، ويضعوا قدر من عظم الله قدره، ويطفئوا ا نور من اتم الله نورهٗ يوذوا المؤمنين احياء وامواتا، وخالفوا الدين نقضا و

البتا، فحار بواجبارا، ملكا قهارا، سراوجهارا وليلا و نهارا ،واصروا اصرارا، واستكبروا استكبارا، ومكروا بالاسلام مكر اكبّارا، فالأنبياء ثلبوا، والأولياء سلبوا، والاسلام خلبوا، والالحاد جلبوا، وبالجملة كلبوا، فالدين قلبوا، فما ذا يراد، بمجلس الميلاد، أوايصال الأجور، الى اوصال القبور، حتى يعد انكاره في مفاسدهم، ويذكر بجنب مكائدهم، قاتلهم الله انى يوفكون، وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون، فلما أباوهم الله تعالىٰ ابادة، وأمطر عليهم مطرا الهلاک وزياده، حتى تداعت ربوع نجد للدثور، وتنادت بواكيها بالويل والثبور، لجأت بواقيها الىٰ ديار شاغرة، عطاش الفتن بأفواه فاغرة، ولم تدر ان الله في كل حين عباد الصالحين، يذبون عن الدين، ويوكدون اليقين، ويؤيدون الايمان، ويشيدون الايقان، ولله المنة ومنه الاحسان، فلم يرعها الاجنود مجندة، بسيوف مهندة، من الله مؤيدة، فردو المكائد في نحور الكائده، وواعوا المفاسد الىٰ نار موقدة، تطلع منها على الاكباد والأفئدة، حتى التجاوت كبراها فى الجدل والمراء الى البهت والافتراء، واحتراق الكتب واختلاف العلماء، وخلع ربقة الحياء، من رقبة الرياء، فيتحير الناظر، في زيهم الظاهر، وطيهم الباتر، وعيتهم الحاسر، وغيهم الخاسر، وكيدهم العظيم، وصيدهم العديم، فنيشد الحكيم ۔

ولا أدرى وسوف أخال أدرى	اقول آل نجد ام نساء
فمن في كفه منهم خضاب	كمن في كفه منهم لواء
تظن بداهته فيهم رشيدا	وامن تمعن فرشدهم هباء
فما فيهم رشيد الصدق الا	رضيع او تبيع او غذاء
وما معنى تجاورهم ولكن	عسى الحنان يهدى من يشاء

هذا و ان من اولئک الجنود، مهلكى العنود، في الزمان الموجود، اخانا فى الله، ذاالفضل والجاه، والقدر الرفيع، والفخر البديع، والعلم الوسيع، والحكم الوكيع، والجد المنيع، والمجد السنيع مولانا المولوى محمد عبدالسميع صين عن كل شنيع، وفرع و فظيع، كل مساء وسطيع، فانى وقفت على بعض ماله من الحالب الكلام، فوجدت جلّه رافع الاوهام و راحت القلوب بنهج محبوب وانوار ساطعة و حجج قاطعة فالله يجزيه الجزاء الحسن بمنح المخ المحن، والحمد لله في السرو العلن، والصلاة والسلام على السيدالامن، وآله وصحبه محلة الفتن، وحماة السنن، وهداة السنن، ما طلع سهيل من

الیمن۔

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ عبدہ الفقیر الذلیل الحقیر عبدالمصطفیٰ احمد رضا المحمدی السنی، الحنفی القادری، البرکاتی البریلوی، غفر اللہ لہ و حقق أملہ، و أصلح عملہ، ولم شتہ و فی الصلحاء بعثہ. آمین. (انوار ساطعہ: ۲۷۳تا۲۷۶)

ترجمہ تقریظ: صاحب ایمان کے چاند کی چمک سے روشنیاں اٹھیں، اور سیناء سینۂ یقین کے پہاڑ سے چمکتے ہوئے چاند روشن ہوئے، پھر دورہ کیا انھوں نے اور سیر کی، اور خود روشن ہوئیں، اور دوسروں کو روشن کیا، جنگل کی طرف جھکیں، اور دریا پر جلوہ کیا پھر بہت پانی کا جوش ابھارا اور ابر تیار کیا تو قطعاتِ زمین میں باغوں اور میدانوں کو خوش خبری دی، پے در پے ہوائیں چلائیں اور زور سے جھونکے دیے، پھر اُس نے بوجھ اُٹھوایا اور اس کو نرمی سے چلایا، پھر کاموں کی تقسیم کی، تو بوندیں ٹپکائی پھر مینہ برسائے، بلاشبہہ حمد و ستائش کی سزاوار وہی ذات ہے جو دنیا جہان کی پالن ہار ہے اور درود وسلام کے تحفے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین پر نچھاور ہے۔ اے پروردگار! (اپنے حبیب احمد مختار پر) وہ درود وسلام نازل فرما جن سے پاکیزہ مقامات میں عظمت محمدی کی سربلندی کے واسطے اُنس کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں اور عشق و محبت اور قلبی جھکاؤ کے ساتھ بصد تکریم نوریوں کی انجمن اور آسمان کی محفلوں میں قیام ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس شعر کے کہنے والے کی تربت آب ہائے زلال وافضال سے سیراب کردے ؎

اگر کوئی ماہر خطاط ورق سیمیں پر آب زریں سے نعت مصطفیٰ رقم کرے تو بھی کم ہے اور حق نعت گوئی ادا ہونے سے رہا۔ اور اہل شرف و مجد مدحِ حبیب کی تعظیم میں صف بستہ اور گھٹنے کے بل کھڑے ہوئے تب بھی سماع نعت کا حق کماحقہ ادا نہیں ہوا۔ اور مَیں نے (اعلیٰ حضرت) اس پر تضمین کہی ہے:

حورعین کی آنکھوں کی سیاہی آب زریں بن جائے اور ان کے سینے خوبصورت تختی بن جائیں پھر جبرئیل امین اس پر لکھیں (تب بھی نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوگا) اور شاعر وافر تمیز کہہ اُٹھے گا: قلیل لمدح المصطفی ......الخ ! ذرا دیکھو! سرکار کی مدح ونعت تکریم تمام کے ساتھ وجد میں آکر اور والہ وشیفتہ ہوکر لوگ کس طرح کر رہے ہیں تو تمھیں اس سے غفلت زیب نہیں دیتی۔ سچ یہ ہے کہ سرکار کی مدح یوں ہی ٹوٹ کر کرنی چاہیے خواہ جلنے والے جلتے رہیں کہ وان ینھض الأشرف ......الخ

حمد وصلاۃ کے بعد، اے بلند بخت سن! اللہ تعالیٰ آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے یہ حکم دے چکا کہ تمام عبادت کرنے والوں پر واجب ہے کہ خدائے پاک کے ذکر کے بعد سرور عالم ﷺ کی مدح ونعت کیا کریں۔ رسولِ کریم کی ذات بڑی بخشش، نعمت فراواں، رحمت بے کراں اور واضح خوبیوں کی حامل ہے۔ وہ انبیا ورُسل کے سردار، نیک راہ بتانے والے، سب کے امام وپیشوا، قلت کو کثرت سے بدل دینے

والے، قید کا بند اٹھا دینے والے، گمرہی دور کرنے والے احمد و محمود امجد مولود اسعد مسعود بخشش کے سرچشمہ، وجود کے منبع، خدا کی نعمت، دعائے خلیل، بشارت عیسیٰ، نوید ذبیح، تمنائے کلیم، اپنے رب کے تئیں بڑی عظمت و کرامت والے سیدنا و مولینا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے: کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ **نعمۃ اللّٰہ** سے مراد آقائے کریم محمد عربی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ تو رحمت عالم ﷺ کے وجود مبارک کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس کا چرچا ہم پر ضروری ہے۔ اور اللہ نے فرمایا: اور انھیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ۔ تو سرور عالم نور مجسم ﷺ کے یوم ولادت سے بڑھ کر اور کون سا دن بڑا ہے۔ اور اللہ نے فرمایا: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ اہل ایمان کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ رحمت ربانی اور فضل الٰہی کا سرچشمہ ہیں اور قرآن و حدیث اس پر گواہ ہیں جیسا کہ ماوردی نے رب تعالیٰ کے اس قول: **ولو لا فضل اللہ و رحمتہ لا تبعتم الشیطن الا قلیلا** کی تفسیر میں ثابت کیا ہے کہ فضل اللہ سے مراد محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ تو گویا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب اعظم ﷺ کی ولادت پر اظہار مسرت و نشاط امت پر واجب فرما دیا تو ہمیں چاہیے کہ ہم سرکار کے مولود مبارک کو عید بنالیں۔ اسی پر بڑے بڑے ائمہ برگزیدان اُمت گزرے ہیں۔ اللہ انھیں رحمت و رضوان سے نوازے۔ پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو قرآن پڑھتے ہیں مگر اُن کے گلے سے اوپر نہیں چڑھتا، حدیث پڑھتے ہیں مگر اس سے نفع اندوز نہیں ہو پاتے، ان لوگوں نے ایسے قاعدے گڑھ لیے ہیں جن سے ان کے سب خادم و مخدوم گمراہ ہوگئے اور ایسے دستور وضع کرلیے جس سے ان کے دین میں بگاڑ پیدا ہوگیا حالانکہ وہ بظاہر پیروان دین سے گنے جاتے ہیں۔ ان کی اصل نکاسی نجد سے ہوئی جیسا کہ غیب داں نبی نے پیش آگاہی فرمادی تھی کہ یہاں سے زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے تو وہ لوگ نجد سے موج مار کر نکلے، ظلم و تعدی کا بازار گرم کیا، لوٹ مار عام کردی اور حرمین شریفین پر چڑھائی کردی، ناحق خون بہائے مالوں پر قبضہ جمالیا اور مسلمانوں کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا اور قابل عظمت چیزوں کے تار و پود بکھیر دیے، اپنے زعم میں وہ مسلمانوں کو نابود کرچکے مگر ہلاکت اُن کے قریب بھی نہ گئی۔ دراصل یہ لوگ خود ہی تمۂ ہلاکت بن گئے اور قیامت کو اپنا کیا پائیں گے۔ ان کا اصل مقصد اور نصب العین یہ تھا کہ وہ اس ذکر کو گل کردیں جسے اللہ بلند فرمانا چاہتا ہے اور اس کی ناقدری کریں جس کی قدر و منزلت کو اللہ نے بڑائی بخشی اور اس چراغ کی لو بجھادیں جسے اللہ نور کامل بنانا چاہتا ہے۔ اور زندہ مردہ مسلمانوں کو ایذا پہنچائیں۔ تو ان لوگوں نے یہ لڑائی دراصل اللہ عزوجل سے باندھی۔ انبیا کی بے ادبی،

اولیا کی ناقدری، اسلام کی تراش خراش اور دامنِ الحاد میں بود و باش! گویا دین ہی اور ہوگیا۔ پھر مجلسِ میلاد کا انکار اور ایصالِ ثواب سے بیزاری چہ معنی دارد؟ اللہ ان کی ان تہمتوں کا انھیں خمیازہ چکھائے عنقریب یہ عقل کے دشمن جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ گرتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کردیا اور نجد میں کہرام مچ گیا تب بقیہ ماندہ دور دراز شہروں میں پھیل گئے۔ ان کی کھوپڑی میں یہ بات نہ آئی کہ ہر وقت میں اللہ کے کچھ نیک اور برگزیدہ بندے رہے ہیں جو ایمان و یقین کی کشت کو شاداب رکھتے اور دین متین کی حفاظت میں سرگرداں رہتے ہیں تو اللہ کا شکر و احسان کہ ان کے واسطے بھی اللہ نے جھٹ ایسی فوجیں تیار کردیں جنھوں نے اللہ کی طرف سے تائید یافتہ شمشیر براں کے ذریعہ مفاسد و مکائد کے پرخچے اڑادیے اور ان کی فتنہ سامانیوں کو آتشِ سوزاں کی نذر کردیا۔ تب ان کے بچے بچائے اس بات پر آئے کہ جنگ و جدل اور بہتان و افترا میں حد سے گزر گئے، کتابیں گڑھ ڈالیں، نئے نئے مُلّا پیدا کیے اور شرم و حیا کا قلادہ اتار پھینکا۔ ایک ظاہر بیں ان کا ظاہری پوشاک اور پُر مطلب اخلاق و کردار دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دلیلوں سے بالکل بیچارے اور تھکے ہوئے مگر بیوقوفوں کے بہکانے اور پھسلانے پر تیار اور بڑے مغالطہ باز اور مکار و عیار ہیں۔ کسی دانائے راز نے درست فرمایا ہے:

مجھے نہیں معلوم کہ یہ نجدی مرد ہیں یا عورتیں، جس کے ہاتھ حنا آشنا ہیں اور جو ہاتھ نیزہ تھامے ہوئے ہے کیا دونوں برابر ہیں؟ اگر تم ان میں کسی کو بنظر ظاہر رشید خیال کرو تو ادنی تامل سے معلوم ہوجائے گا کہ رشد نے اسے چھوا تک نہیں۔ غرض کہ ان میں کوئی رشد سچا نہیں سب کے سب دغا باز اور مکار ہیں۔ پھر اگر ان لوگوں نے جور و جفا اور ظلم و ستم کیا تو یہی ان کے لائق تھا۔ اللہ انھیں ہدایت سے نوازے۔

الحاصل دو فوجیں جنھوں نے منکرین کو ٹھکانے لگادیا۔ ان میں سے اس زمانہ میں ہمارے دینی بھائی صاحب عظمت و کرامت اور بہت ساری خوبیوں کے مالک مولانا مولوی محمد عبدالسمیع (اللہ انھیں تمام آفات و خرافات سے بچائے) ہیں۔ مجھے ان کے کچھ پاکیزہ کلام مثل دافع الأوھام، راحۃ القلوب اور انوار ساطعۃ کو دیکھنے کا اتفاق ہوا جنھیں میں نے اسم بامسمیٰ پایا۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ اللہ اپنے حبیب اعظم اور ان کی اولاد و اصحاب پر لگاتار درودوں کی بارش اور سلاموں کے گجرے نچھاور فرما جب تک ستارۂ سہیل یمن میں چمکتا دمکتا رہے۔

اسے اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا اللہ کے بندہ فقیر ذلیل و حقیر عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی نے۔ اللہ اسے بخشے، مراد رسا فرمائے اور بروز محشر صلحائے امت میں اٹھائے۔ آمین

○ ○ ○ ○ ○

امام احمد رضا کے خلیفۂ خاص حضرت صدر الشریعہ

اور

بہار شریعت کی پہلی اشاعت

از: شکیل احمد قریشی اعظمی برکاتی شمسی

امام قادری مسجد گیٹ ۶ مالونی ملاڈ ممبئی ۹۵

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں برکاتی محدث بریلوی قدس سرہٗ العزیز (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) چودھویں صدی ہجری کے عظیم المرتبت مجدد اور فقۂ حنفی کے مایۂ ناز مفکر و مدبر ہیں جن کے علمی و فقہی جواہر پارے پچاس سے زائد علوم و فنون پر محیط ہیں۔ محققین کی تحقیق اور تفتیش کے حساب اور اعداد و شمار سے ایک ہزار سے زائد کتب تحریر کردہ ہیں۔ اس اعتبار سے آپ حقیقت میں "صاحب تصانیف کثیرہ" کے صدفی صد مستحق ہیں اہل سنت و جماعت اپنے امام پر جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج پوری دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں مختلف زبانوں میں ان کے ایک ایک علمی موضوع سخن کو لے کر علما و ادبا، ڈاکٹرز و پروفیسرس کثیر تعداد میں ریسرچ و تحقیقات کر رہے ہیں۔ ہر موضوع پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا امام الادب، محدث جلیل، امام عصر، ناشر سُنّیت، پاسبانِ قوم و ملت، ترجمان اسلام، نازشِ علم و فن، نباضِ فطرت، قایدِ اہل سنت، صاحبِ فکر و قلم، عظیم دانشور نظر آتے ہیں۔ اسی لیے اہل علم و قلم، مفکرین اسلام، اپنوں اور غیروں نے بھی بلا خوف و خطر متفقہ طور پر امام احمد رضا لکھا اور کہا جو بالکل حق ہے اور یہی وقت کی پکار ہے۔ بس زبان و قلم اسی شعر پر آ کر رک جاتے ہیں ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم ☆ جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

انہیں عصرِ جدید و قدیم کے امام کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ، عرصۂ دراز تک اعلیٰ حضرت کے شب و روز کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھنے والے، امام احمد رضا کے خلیفۂ خاص حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ مصنف بہار شریعت حضرت علامہ الحاج حکیم امجد علی اعظمی و رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات مبارکہ کے چند نوادرات موصول ہوگئے ہیں جو یقیناً درس عبرت ہیں۔ جو ہدیۂ قارئین ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کی وفات سے چند دن پہلے کا واقعہ ہے۔ حضرت صدرالشریعہ کسی مسئلہ میں اُلجھ گئے اور مسلسل چار دن تک اس مسئلہ کے حل کے لیے کتابوں کی ورق گردانی فرمائی لیکن کوئی صورت بن نہ آئی بالآخر امام احمد رضا کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ مسئلہ کو سلجھانے کے لیے بارگاہِ امام میں صدرالشریعہ کی باریابی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی جاتے دروازہ پر پردہ گرا دیا جاتا اور

رضا کا فرمانِ عالی شان بھی تھا کہ مولوی امجد علی صاحب جب بھی آئیں بلا روک ٹوک اندر آنے دیا جائے۔ جبکہ اس دور میں اعلیٰ حضرت بیمار تھے اور آنکھ کی روشنی ہلکی ہوگئی تھی ٹھیک سے لوگوں کی شناخت نہیں کر پاتے تھے صرف آواز سے پہچان لیتے تھے۔ بہر کیف صدر الشریعہ آپ کے قریب پہنچے فرمانے لگے، مولوی امجد علی صاحب کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا حضور! ایک مسئلہ کے لیے میں چار دن سے پریشان ہوں کتابوں کو بہت چھانا پھٹکا لیکن جواب نہ ملا اسی لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ فرمایا، بحرالرائق کے فلاں صفحہ پر دیکھیے یہ مسئلہ مل جائے گا۔ مولوی امجد علی صاحب شرعی مسائل میں ابھی بھی بفضلہٖ تعالیٰ اس بیماری کے عالم میں میرا قوتِ حافظہ مضبوط ہے لیکن ابھی میری بیٹی میرے پاس آئی تھی میں نے اسے بہت پہچاننے کی کوشش کی ذہن پر زور دیا لیکن نہ پہچان سکا حالانکہ میری بینائی کمزور ہوگئی ہے، بیماری و نقاہت بہت زیادہ ہے مگر یہ اللہ و رسول کا میرے اوپر بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ شریعت کے کسی مسئلہ کو سوچنے میں دیر نہیں لگتی اور فوراً زبان پہ جاری ہو جاتا ہے۔"

(بروایت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بموقع عرس امجدی ملاڈ ممبئی۔ جنوری ۲۰۰۳ء ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ)

"حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مجھے رمضان المبارک میں گھوسی بھیجا کہ جاؤ صدر الشریعہ کی سوانح حیات لکھ کر لاؤ۔ میں حاضر ہوا اور سوانح حضرت کی زبانی لکھنے لگا۔ جب بیس رمضان آیا تو فرمایا کہ مولوی عبد المنان (مفتی بحر العلوم) اب یہاں سے مسجد شروع ہوگئی۔ اب ہر کام بند صرف ذکر الٰہی کا کام شروع۔ صدر الشریعہ گھر کے سامنے والی مسجد میں ہر سال معتکف ہوتے تھے۔ جب میں رات میں سویا تو ذکرِ بالجہر کی آواز ہر چہار جانب سے آنے لگی۔ میں نیند سے اُٹھ کر چارپائی کے نیچے دیکھنے لگا تو کوئی نہیں پھر دائیں بائیں دیکھا نیچے اوپر دیکھا کہ ہوسکتا ہے ادھر سے آواز آتی ہو۔ کوئی دکھائی نہ دیا پھر یکایک در و دیوار سے آواز آنے لگی مگر سامنے کسی کا پتہ نہیں۔ جب مسجد کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو حضرت صدر الشریعہ رات کی تنہائی میں ذکر کر رہے ہیں مسجد کے اندر مگر آواز مسجد کے در و دیوار سے آرہی ہے۔

صدر الشریعہ کے تصوف کی عمدہ مثال ہے۔ صوفیا کی جماعت میں بہت کم لوگ ایسے گزرے ہیں کہ ذکر کہیں پر ہوا، اور آواز کہیں پر، اور اثر کہیں پر، اور جگہ بھی گونجتی ہو۔ معلوم ہوا کہ صدر الشریعہ تصوف کی اس عظیم منزل پر بھی فائز تھے۔"

(بقول علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری بروایت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی / (عرس امجدی پٹھان واڑی ملاڈ ویسٹ ممبئی، جنوری ۲۰۰۴ء بروز بدھ)

جب حضرت صدر الشریعہ دوسری بار حج بیت اللہ کے لیے جانے لگے تو مفتیٔ اعظم ہند بھی ساتھ میں بمبئی تشریف لے گئے میں بھی ہم سفر رہا۔ ضعیفی کے عالم میں بھی صدر الشریعہ کو شرعی

مسائل اور علمی گفتگو میں استحضار حاصل تھا۔ کوئی مسئلہ پیش کیجیے فوراً جواب حاضر۔ محسوس ایسا ہوتا تھا کہ نوکِ زبان پر گردش کر رہا تھا۔ شہزادگانِ اعلیٰ حضرت کو ان کے بتائے ہوئے مسائل پر مکمل اعتماد و بھروسہ تھا۔ بہرکیف بمبئی میں اس قیامِ سفر کے دوران ایک صاحب مفتیٔ اعظم کی خدمت میں بحیثیت سائل آئے۔ انہوں نے اپنا سوال پیش کیا اور عرض کیا حضرت اس مسئلہ کی جانکاری کے لیے حاضر آیا۔ صدر الشریعہ اس وقت اوپر والے کمرے میں آرام کر رہے تھے، واضح رہے کہ اس دور میں حضور حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کو ''بڑے مولانا'' اور مفتیٔ اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو ''چھوٹے مولانا'' کہا کرتے تھے۔ چھوٹے مولانا نے وقفۂ سوال کے بعد کہا کہ مولانا مجیب الاسلام انہیں اوپر صدر صاحب کے پاس لے جاؤ۔ میں لیکر پہنچا تو آپ سو رہے تھے، ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ کچھ کہوں بڑی ہمت سے عرض گزار ہوا۔ حضرت! انہیں چھوٹے مولانا نے آپ کے پاس بھیجا ہے ان کا کوئی سوال ہے حل فرما دیں۔ اتنا سننا تھا کہ فرماتے ہیں ''انہیں مجھ پر رحم نہیں آیا کہ میرے پاس بھیج دیا اور میں شدتِ بخار میں مبتلا ہوں'' سائل نے اپنا سوال پیش کیا فوراً ہی صدر الشریعہ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔ بخار کی وجہ سے سخت بیمار ہیں لیکن میں نے ان کے علمی جواہر پارے کو اس انداز میں ملاحظہ کیا کہ حیران و ششدر ہوں۔

حالانکہ مفتیٔ اعظم بھی ممتاز عالم دین اور قابل قدر مفتی تھے لیکن یہاں پر صدر الشریعہ کی عظمت علمی کا بتانا مقصد تھا سو وہ ظاہر ہوگیا۔

(راوی مفتی مجیب الاسلام ادروی تلمیذ صدر الشریعہ، بقول علامہ ضیاء المصطفےٰ جنوری ۲۰۰۲ء ملاڈ ممبئی)

جس دور میں ریشمی کپڑوں پر پابندی لگی کہ بیرونی کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا جائے خرید و فروخت بند کیا جائے اور مصنوعات کا بھی سدّ باب ہو حضرت صدر الشریعہ اس پر سختی سے ساتھ کاربند رہے۔ اس کے بعد کبھی ریشمی کپڑا نہ پہنا۔ بعدہٗ ہمیشہ ان کا معمول رہا زندگی بھر سوتی کپڑے زیب تن کرتے رہے۔ سفید سوتی کپڑے کا کرتہ، پائجامہ، ٹوپی، رومال وغیرہ استعمال کرتے رہے اور ان ریشمی کپڑوں کو ہاتھ نہ لگایا یہ ان کی اتباعِ شریعت تھی۔

اسی وقت میں حضور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب قبلہ لائل پوری حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے صدر الشریعہ کی خدمت میں ایک جبہ پیش کیا اور فرمایا کہ حضرت میں آپ کے لیے حج سے مکہ یا مدینہ شریف سے یہ جبہ لایا ہوں قبول فرمائیں۔ آپ نے ادب سے ہاتھ میں لیا بوسہ دیا اور اپنی دونوں آنکھوں سے لگایا پھر وہی دولن کا جبہ ہمیشہ ہر موقع سے پہنتے رہے۔ بالخصوص ہر جمعہ وعیدین میں ضرور ضرور زیب تن کرتے۔ اس کے علاوہ دیگر خاص

مواقع پر بھی پہنتے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت محدث اعظم پاکستان کا عطیہ کیا ہوا جبہ جو کہ مکہ یا مدینہ کا تبرک تھا بے حد محبوب تھا۔ اس سے مولانا سردار احمد صاحب کی اپنے استاذ سے محبت وعقیدت کا نمایاں درس ملتا ہے۔ یہ ان کی دین اور شرعی احکام پر استقامت تھی۔

(بروایت علامہ صاحب، ضیاء المصطفیٰ قادری' عرس امجدی ملاڈ ممبئی)

بہار شریعت فقہ حنفی کی مستند کتاب جو کہ عالم بنانے والی کتاب ہے صدرالشریعہ نے بہت عنقریب وقت میں لکھا جو کہ ان کا عظیم کارنامہ ہے میں نے خود اپنے استاذ محترم حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ ''بہار شریعت تو صدرالشریعہ'' کا ذیلی کارنامہ ہے اصل کارنامہ تو شاگردوں کی پیداوار ہے آپ نے زیادہ سے زیادہ شاگرد پیدا کیے اکابرین علمائے اہلسنّت اکثر صدرالشریعہ ہی کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے زیادہ کتابیں لکھیں یعنی اسلحے تیار کیے اور صدرالشریعہ نے سپاہی تیار کیے یعنی ان اسلحوں کو چلانے والے ہتھیار یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے'' آج بھی ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد واسطہ بلا واسطہ پاک و ہند غیر ممالک میں بھی پائی جاتی ہے۔

مثلاً حافظ ملت، مجاہد ملت، مفتی اعظم کانپور، محدث اعظم پاکستان، شیخ العلما، خیر الاذکیاء۔

(عرس امجدی پٹھان واڑی ملاڈ ایسٹ ممبئی بقول علامہ صاحب)

میں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ محترمہ (ہاجرہ خاتون ہمشیرہ علامہ ارشد القادری) سے پوچھا کہ صدر الشریعہ بہار شریعت کو کیسے تصنیف فرماتے تھے والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مقدس مہینہ آتا تو حضرت صدر الشریعہ ہر سال مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے اور جب بیں رمضان ہو جاتا تو فرماتے مسجد میں چاروں طرف سے تپائیاں لگادی جائیں اور جتنی بڑی بڑی کتابیں ہیں سب ایک طرف سے برابر برابر لگادی جائیں ویسے ہی کتابیں رکھ دی جاتیں آپ دس روزہ اعتکاف میں اوراد و وظائف سے فراغت کے بعد بہار شریعت لکھتے اس طرح دس دس دن رمضان میں پوری بہار شریعت مکمل ہوتی۔

جب صدر الشریعہ حج کے لیے جانے لگے تو مسودہ کو اپنے ساتھ بمبئی لے گئے اور قیام بمبئی میں بہار شریعت کا مبیضہ تیار کیا اور وہیں سے بذریعہ ڈاک مبیضہ بہار شریعت کا جو تیار شدہ تھا بریلی شریف امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں اصلاح و تصدیق کے لیے بھیجی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے از سر نو مطالعہ فرمایا اور نظر ثانی کی بعدہٗ بہر ثبت لگا کر تصدیق بھی فرمائی پھر صدر الشریعہ کی خدمت میں مصرانہ فرمایا اس طرح سے امام اہلسنّت کی تصدیقات و تقریظات کے ساتھ منظر عام پہ آئی یہی اس کے مقبولیت عام وتام کی دلیل ہے۔ اپنے بیگانے بھی

فائدہ کر رہے ہیں۔ (عرس امجدی ملاڈ ممبئی ۲۱-۱-۲۰۰۴ء، علامہ صاحب محدث کبیر)

(۲) بہار شریعت:

بہار شریعت کب اور کیسے اور کس جگہ سے سب سے پہلے شائع ہوئی یہ غور طلب امر ہے اکثر لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ پہلے ہندوستان میں شائع ہوئی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ تحقیق و تفتیش کے بعد یہ امر واضح ہوتا ہے کہ پہلے پاکستان سے بعدہ میں بھارت سے۔

یہ اظہر من الشمس ہے کہ رضویات پر یا مسلک اعلیٰ حضرت پر یا علمائے اہلسنّت پر، تصنیفات و اشاعت، سوانح و خدمات پر جتنا کام پاکستان میں ہوا اتنا ہند میں نہیں ہوا جتنا کہ ہونا چاہیے اِلاَّ ماشاء اللہ۔ اب کچھ سبقت ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے روز افزوں فرمائے۔ آمین

ایک چھوٹی سی مثال اس ضمن کی پیش ہے۔ بحرالعلوم حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اعظمی برکاتی (شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو یوپی) نے اپنے زمانہ طالب علمی آج سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے صدر الشریعہ کی سوانح ان کی زبان فیض ترجمان سے ۱۹۴۸ء سے قبل اخذ کیے تھے بحکم حافظ ملت، پچاس سال کے بعد بھی ہند میں اس کی اشاعت نہ ہوسکی بالآخر جب ادیب شہیر علامہ عبدالحکیم شرف قادری پاکستان، ہند کے دورہ پر تشریف لائے اور بحرالعلوم سے ملاقات کی تو حضرت نے وہی نسخہ (مسودہ) انہیں عطا کر دیا علامہ شرف نے تصحیح کے بعد اپنے توسط سے ''رضا اکیڈمی لاہور'' سے ''حیات صدر الشریعہ'' کے نام سے شائع کروایا جو سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے افسوس صد افسوس ہمارے اتنے متمول، اہل خیر حضرات لوگ ہوتے ہوئے بھی یہ کام نہ کر سکے نعرہ تو سبھی لگاتے ہیں بالآخر ان تبرکات صدر شریعت کا سہرا بھی پاکستان کے سر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام وابستگان کو اجرِ جزیل عطا فرمائے، آمین۔ وما توفیقی الا باللہ.

یہی حال بہار شریعت کی پہلی اشاعت کے ساتھ بھی ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اپنے اکابرین کی بارگاہ کرم میں خراج عقیدت و محبت تصنیف و اشاعت کی شکل میں، نوادرات و تبرکات کو پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ثم آمین۔

اہلسنّت و جماعت کے ممتاز عالم دین، بہترین و مایۂ ناز قلم کار، مصنف و محقق، ادیب العصر حضرت علامہ شمس الحسن صاحب قبلہ شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی شریف) کی فکر انگیز بات اور پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کی معلوماتی تحریر ملاحظہ فرمائیں واضح رہے کہ یہ میں کسی پر الزام تراشی نہیں بلکہ حقیقت حال پیش کر رہا ہوں اگر کسی صاحب کو ذرہ برابر گزند پہنچے تو معذرت خواہ ہوں برائے کرم توجہ درکار ہے۔

تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ صدر الشریعہ کی تصنیفِ لطیف سب سے پہلے لاہور پاکستان

سے چھپی اس کے لیے تمام اراکین ادارہ، معاونین و شرکاء قابل مبارکباد ہیں کہ یہ فیروزمندی و خوش بختی اہل لاہور کے حصہ میں آئی کہ بہارشریعت کو شائع کیا۔

ع جہاں میں ہر طرف ہے تذکرہ صدر شریعت کا

ع اس انجمن کی شمع فروزاں تمہیں تو ہو

بہارشریعت کی لاہور سے پہلی اشاعت:

''ہمارے تدریسی زمانے میں مولوی ابرار حسن صدیقی تلہری ''نورالانوار'' پڑھا کرتے تھے جو اس کتاب کے ماہر سمجھے جاتے تھے جتنے عرصے تک احقر (شمس بریلوی) منظر اسلام میں مدرس رہا اور بعد میں صدر شعبۂ فارسی بھی رہا اتنے عرصہ میں ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۵ء میرے سامنے دارالعلوم کے پانچ صدر مدرس تبدیل ہوئے۔ ان میں ایک مولانا حکیم امجد علی اعظمی بھی تھے جو پہلے اعلیٰ حضرت کے زمانے میں بھی رہے اور ۱۹۲۵ء میں بعد وصال اعلیٰ حضرت آپ دارالعلوم منظر اسلام چھوڑ کر چلے گئے اور پھر دوبارہ ۱۹۳۷ء میں صدر مدرس بن کر تشریف لائے۔ دوران گفتگو حضرت شمس صاحب نے بہارشریعت کی اوّل اشاعت کا واقعہ بیان فرمایا۔

ایک دن حسب معمول مدرسہ منظر اسلام (بریلی شریف) پہونچا تو مدرسہ کے خادم نے بتایا کہ مولوی شمس الحسن صاحب ایک صاحب لاہور سے آپ سے ملنے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ میں جب مہمان خانے پہونچا تو اندر ایک صاحب حسن دین منیجر شیخ غلام علی اینڈ سنز بیٹھے ہوئے تھے سلام مصافحہ اور خیریت طلبی کے بعد انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے مالک پبلشرز جو کہ شیعہ ہے کو حضور اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' چھاپنے کے لیے راضی کرلیا ہے مگر شرط یہ لگادی ہے کہ تم پہلے مولوی امجد علی صاحب کی ''بہارشریعت'' لاؤ اس کی بہت مانگ ہے پہلے ہم اس کو شائع کریں گے لہٰذا اس کام کے لیے لاہور سے یہاں (سوداگراں بریلی) آیا ہوں۔ اس نے مزید بتایا کہ اس نے مولانا امجد علی صاحب سے اس موضوع پر بات کی ہے مگر پبلشرز کی طرف سے پیش کی گئی خدمت پر وہ تیار نہیں ہیں کہ آپ کے چونکہ ان سے بہت گہرے مراسم ہیں لہٰذا اس معاملے میں آپ ہماری ان سے سفارش کردیں تاکہ وہ تیار ہو جائیں ہم آپ کے بہت ممنون ہوں گے۔

بہرکیف میں جوش میں آکر حسن دین صاحب (منیجر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) کو مولانا امجد علی صاحب قبلہ کے کمرے میں لے گیا اس وقت وہ دارالحدیث میں ''قراۃ التلمیذ علیٰ شیخ'' میں مصروف تھے۔ سبق ختم ہونے کے بعد میں نے عرض کیا کہ لاہور سے یہ صاحب ''بہارشریعت'' کے سلسلے میں آئے ہیں۔

باقی صفحہ ۷۰

مردم شماری کی شرعی حیثیت

از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، کراچی، پاکستان

گذشتہ دنوں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے شائع ہونے والے انسائیکلوپیڈیا "جہانِ امام ربانی" کے اجراء کے سلسلے میں "قومی جہانِ امام ربانی کانفرنس" میں شرکت کی غرض سے ایک ہفتے لاہور میں قیام رہا۔ دورانِ قیام مختلف احباب اور اہلِ علم حضرات سے ملاقاتیں اور تبادلۂ خیال رہا، انہی میں ایک پروفیسر صاحب نے دورانِ گفتگو "مردم شماری" کو فضول کام اور اسلام کے خلاف قرار دیا۔ زبانی طور پر اُن کی تسلی نہ ہوسکی تو فقیر نے یہ مختصر مقالہ اُن جیسے دیگر حضرات کی تسلی اور معلومات میں اضافہ کی غرض سے مرتب کیا جو کہ نذرِ قارئین ہے۔

نہ صرف اسلام مردم شماری کا قائل ہے بلکہ امم سابقہ میں بھی مردم شماری کا رواج تھا۔ چنانچہ عہد حاضر کی توریت کے عہد نامہ عتیق (Old Testaments) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس مردم شماری کا پتا چلتا ہے جو کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرائی تھی اور جس کا ذکر "صحیفۂ گنتی" میں ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"سینا کے بیابان میں خداوند نے خیمۂ اجتماع میں موسیٰ سے کہا، تم ایک ایک مرد کا نام لے لے کر گنو اور ان کے ناموں کی تعداد سے بنی اسرائیل کی ساری جماعت کی مردم شماری کا حساب ان کے قبیلوں اور آبائی خاندانوں کے مطابق کرو۔" [۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بھی شہنشاہِ روم نے ایک مردم شماری کرائی تھی اور اس مردم شماری کے فرمان کی تعمیل میں یوسف نجار اور حضرت مریم علیہا السلام اپنے کوائف درج کرانے کی غرض سے اپنے اصلی وطن "بیت اللحم" میں قیام پذیر تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ [۲]

قدیم رومن حکومت بھی اپنی عوام کے متعلق ریکارڈ رکھتی تھی جس میں ہر شخص کے خاندان، اولاد، غلام اور ملازمین تک کی پوری معلومات ہوتی تھی۔ [۳]

معلوم ہوا کہ مردم شماری کوئی نیا یا فضول کام نہیں بلکہ یہ زمانہ قدیم سے رائج ہے اور یہ کام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے خود اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے کیا جیسا کہ توریت کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مردم شماری کرنا عرض کیا گیا۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد اُمت

مسلمہ کی مردم شماری کرائی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں جس نے اسلام قبول کیا ہو اس کا نام لکھو، کہتے ہیں ہم نے مسلمانوں کے نام شمار کرنا شروع کیے تو ایک ہزار پانچ سو مرد ہوئے۔ [۴]"

اس مردم شماری کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے، جب ان کو اپنی مجموعی تعداد کا علم ہوا تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بجالائے، تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ مسلمان اس مردم شماری کے بعد ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیتے اور کہتے کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہوگئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے۔ ہم نے تو وہ زمانہ گذارا ہے کہ جب ہم میں سے کوئی اکیلا نماز پڑھتا تو اسے باہر سے دشمن کا ڈر رہتا تھا مگر اب ہمیں کسی کا خوف نہیں۔

فیصل آباد سے ڈاکٹر صبحی صالح کی کتاب "علوم الحدیث" کا ترجمہ (مترجم پروفیسر غلام احمد حریری) شائع ہوا ہے جس میں مصنف نے اس پہلی اسلامی مردم شماری کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال حکم دیا تھا کہ مردم شماری کی جائے اور مدینہ کے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو شمار کیا جائے۔ صحیح بخاری کی روایت "باب کتابۃ الامام للناس" اس ضمن میں واضح ہے کہ مردم شماری کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا "لوگوں میں سے اپنی زبان سے جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے اس کا نام لکھ لو" (راوی کہتے ہیں) تعمیل ارشاد میں ہم نے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھے۔"

کتب احادیث سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے کہ غزوات وسرایا کے لیے جانے والے مجاہدین کی بھی قبل از روانگی مردم شماری ہوتی تھی، اگر جہاد کے لیے جانے والوں کی مردم شماری نہ کی گئی ہوتی تو آج ہمیں مختلف غزوات میں شرکت کرنے والوں اور جامِ شہادت نوش کرنے والوں کے اسماء گرامی کا کیسے پتا چلتا!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میرا نام فلاں فلاں جہاد پر جانے کے لیے لکھا گیا ہے لیکن میری بیوی حج کو جارہی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا تو تم لوٹ جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔ [۶] معلوم ہوا کہ جہاد پر جانے والوں کی جانے سے قبل ہی مردم شماری کرلی جاتی تھی پھر جو واپس ہوتا اس کا نام خارج کردیا جاتا۔

دلائل سے معلوم ہوا کہ مردم شماری حکمِ الٰہی ہے۔...... مردم شماری حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔...... مردم شماری سنتِ مبارکہ اور شعائر اسلام سے ہے۔...... دیگر انبیاء کرام کی طرح پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر مردم شماری کرائی تھی۔...... آج دنیا کے اکثر ممالک میں پانچ

اور دس سال کے بعد مردم شماری کرائی جاتی ہے اور اس کی روشنی میں آبادی اور وسائل میں توازن کے لائحہ عمل طے کیے جاتے ہیں۔...... سربراہان اسلامی ممالک کو ملکی سطح پر اور عام مسلمانوں کو نجی سطح پر ہر معاملے میں مردم شماری کے ذریعے اپنی افرادی قوت کے صحیح اعداد و شمار کا ریکارڈ رکھتے ہوئے منصوبہ بندی کرنا چاہیے تاکہ وسائل سے صحیح طور پر استفادہ کیا جاسکے۔

حواشی

۱۔ کتابِ مقدس، ص ۱۲۳، سیریز ۹۵/۹۳ مطبوعہ لاہور بائبل سوسائٹی

۲۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۲۰ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۸۴ء

۳۔ سید محمد سلطان شاہ، ڈاکٹر، سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور عصری سائنسی تحقیق، ص ۵۷ مطبوعہ لاہور ۲۰۰۰ء

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر ۳۰۳

۵۔ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث (مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری) ص ۳۳ مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۷۸ء

۶۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر ۳۰۵

OOOOO
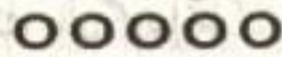
بقیہ: بہار شریعت کی پہلی اشاعت

میں نے دوران گفتگو زور لگانے کے لیے یہ بات بھی کہہ دی کہ ان دنوں ''بہشتی زیور'' دو آنے کی مل رہی ہے اور آپ کی کتاب کی اب سخت ضرورت ہے کہ جلد از جلد بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت ہو لہٰذا آپ اس کی اشاعت کی اجازت دے دیں۔ مگر حضرت (صدر الشریعہ) اس وقت تیار نہ ہوئے اور میں ناراض ہو کر باہر آ گیا اور حسن دین سے معذرت کر لی کہ حضرت ابھی اشاعت کے لیے تیار نہیں۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد مولانا امجد علی اعظمی صاحب مدرسہ منظر اسلام دوبارہ چھوڑ کر چلے گئے پھر انتقال سے قبل عرس اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا قدس سرہٗ) میں شرکت کے لیے بریلی تشریف لائے تو پھر دیکھتے ہی گلے لگالیا اور فرمایا مولوی شمس الحسن تم اب تک ناراض ہو بات آئی گئی ہوگئی۔ حضرت نے کچھ دیر بعد مجھ کو پھر بلوایا اور کہا تم اس منیجر حسن دین سے کہو کہ اس ''بہار شریعت'' کو شائع کردے۔ میں نے دوبارہ کوشش کی معاہدہ ہوگیا اور بہار شریعت پہلی دفعہ لاہور سے شائع ہوئی مگر غضب یہ ہوا کہ اس نے پہلا ایڈیشن ردّی کاغذ پر چھاپا جس کا مجھے بہت افسوس ہوا اتنی خوبصورت کتاب کتنی بے دردی سے اور ردّی کاغذ پر شائع ہوئی کاش اس وقت ہمارے پاس رقم ہوتی تو اس کو شایانِ شان شائع کرتے۔''

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی کا صد سالہ منظر اسلام نمبر پہلی قسط ص ۸۹۔ ۹۰ ۲۰۰۱ء پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری)

مقالاتِ شارح بخاری

از: ساحل شہسرامی (علیگ)، علی گڑھ

استاذِ مکرم، محسن اکرم، فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی دنیائے سُنّیت میں تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا نوری اور صدر الشریعہ ابو العلا حکیم مفتی محمد امجد علی رضوی علیہما الرحمہ کی فیض یافتہ یہ شخصیت علمی وقار کا کوہ گراں تھی۔ ستر ہزار سے زیادہ فتاویٰ، نزہۃ القاری وشرح بخاری کی نو ۹ جلدیں، درجنوں تصانیف، سینکڑوں مقالات، ہزاروں تلامذہ آپ کو حیاتِ جاوید دینے کے لیے کافی ہیں۔ جس خلوص سے آپ نے یہ خدمات انجام دی ہیں اس کی برکتیں پورا عالمِ اسلام چشمِ سر سے ملاحظہ کر چکا ہے۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ ممبئی میں یادگار جشنِ شارح بخاری منعقد ہوا جس کی بھری محفل میں آپ کو چاندی سے تولا گیا۔ عوامی سطح پر اپنی نوعیت کا غالباً یہ اوّلین منفرد اعزاز ہے۔ اس سے پہلے ہندوستان میں حضرت علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کو شاہجہاں نے دوبار چاندی سے تولا تھا۔ مارہرہ شریف کے مرکزی عرسِ قاسمی میں امینِ ملّت نے آپ کو فقیہ اعظم ہند کا خطاب عطا کیا۔ جانشینِ سید العلماء سید شاہ آلِ رسول حسنین میاں نظمی مدظلہٗ نے بمبئی کے جشن میں جملہ سلاسلِ خاندانی کی اجازتیں مرحمت فرمائیں۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب مدظلہ نے "شارح بخاری" کے نام سے تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل کتاب تصنیف کی اور جشن شارح بخاری کے موقع سے بڑے سائز کے گیارہ سو صفحات پر پھیلے ہوئے "معارفِ شارح بخاری" (مرتبہ علامہ یٰسین اختر مصباحی، علامہ محمد احمد مصباحی) کی رسم اجراء ادا ہوئی۔

اسی جشنِ شارح بخاری کے موقع سے حضرت کے نوے ۹۰ گراں قدر مقالات کا مجموعہ "مقالاتِ شارح بخاری" (ترتیب کردہ: ساحل شہسرامی علیگ) بھی منظر عام پر آنا تھا۔ لیکن کچھ دل کے مریضوں کی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس کی اشاعت روک دی گئی۔ حضرت شارح بخاری اصل معاملے سے بے خبر تھے، اس لیے اس بات سے سخت خفا تھے کہ یہ مجموعہ اس یادگار موقعہ سے منظر عام پر نہ آسکا......

اتفاقِ بخت کہ چند مہینوں کے بعد ہی حضرت شارح بخاری کا انتقال ہوگیا۔ جس کی وجہ سے یہ معاملہ سرد خانے میں چلا گیا اور ناچیز بھی بعض ابنائے زمانہ کی کرم فرمائیوں کے طفیل جامعہ اشرفیہ سے دست بردار ہوگیا۔ حضرت امین ملت کی ذرہ نوازی کہ انھوں نے فوراً اپنے قدموں میں جگہ مرحمت فرمائی اور میں علی گڑھ آگیا جہاں تسلسل کے ساتھ دین وعلم کی خدمت میں مصروف ہوں۔

ناچیز مرتب ذمہ دارانِ اشاعت کو بار بار یاد دلاتا رہا لیکن صدائے برنخواست۔ پھر سننے میں آیا کہ

مقالات کی دوبارہ کمپوزنگ ہورہی ہے۔ فلاں فلاں صاحب اس پر مقدمہ لکھ رہے ہیں اور فلاں فلاں صاحب میری دو سالہ جمع و ترتیب کی محنت کا کریڈٹ اپنے نام کرنے پر آمادہ ہیں۔ میں نے یہ معاملہ حضرت امین ملت کے گوش گزار کیا۔ ان فلاں فلاں صاحبان کو بھی اس بات کی بھنک لگ گئی کہ ان ''دیانت داریوں'' کا علم امین ملت کو ہو چکا ہے۔ اس لیے اپنے ''علمی وقار'' کو سلامت رکھنے کے لیے اس ''اعزاز'' سے دست کش ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ میں نے ذمہ داروں سے مسلسل رابطہ بنائے رکھا لیکن تاخیر کی دلدل سے ان کے قدم باہر نکلتے محسوس نہیں ہوتے۔ اس لیے مقالات شارح بخاری کا وہ مقدمہ جسے حضرت شارح علیہ الرحمہ نے بنفس نفیس ملاحظہ فرما کر اصلاحات دی ہیں، نذر قارئین کرتا ہوں، ساتھ میں مقالات کی فہرست بھی۔ ہوسکتا ہے کہ قارئین میں سے کوئی ان مقالات کی اہمیت کو محسوس کر کے ذمہ داروں کو ان کی جلد اشاعت پر آمادہ کر سکے۔ جس کی اشاعت میں پانچ سال کی تاخیر ہو چکی ہے۔ ناچیز نے یہ سلسلہ ۱۹۹۷ء میں شروع کیا تھا۔ اور یکم شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ/ ۱۰ر نومبر ۱۹۹۹ء کو اس کی ترتیب، تصحیح، کمپوزنگ، تقدیم، فہرست سازی، اضافۂ حالات مصنفین سے فارغ ہوگیا تھا۔ ان مقالات کے سلسلے میں جتنی مشقت جزیاں اور جانفشانیاں گوارہ کیں۔ اتنی محنت میں ۵۰۰ صفحات کی تازہ کتاب تصنیف ہو جاتی......

خدا کرے کہ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کی یہ عظیم علمی یادگار جلد از جلد اشاعت کے مرحلے سے گذر کر اہل سنت کے لیے افادیت اور مسرت کا سامان بنے۔

ایک شریفی نیاز مند **ساحلؔ**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الٰہنا والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد شفیعنا و علی الہ و صحبہ و سائلنا

نزہۃ القاری شرح بخاری کی تکمیل پر رضا کیڈمی بمبئی نے بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شکر ادا کرنے کے لیے ایک بے مثال عظیم الشان جشن کے اہتمام کی پیش کش کی تو اس زرّیں موقع سے شارح بخاری علیہ الرحمہ کے نیاز مندوں نے یہ سوچا کہ حضرت کے جتنے مضامین اور علمی نوادرات رسائل و جرائد میں بکھرے پڑے ہیں ان کی شیرازہ بندی کر کے قوم کے سامنے پیش کردیے جائیں تاکہ ان کے قیمتی افادات سے علمی دنیا استفادہ کر سکے۔

راقم الحروف نے اپنے شوق سے آج سے تین چار سال قبل ہی حضرت کے نوادر علمیہ کی تلاش و جستجو کا کام شروع کردیا تھا۔ اور اچھا خاصا مواد بھی اکٹھا ہوگیا تھا۔ جشن تکمیل شرح بخاری کے موقع سے حضرت کے عزیز ترین شاگرد مولانا عبدالحق رضوی صاحب سے تبادلۂ خیال ہوا اور پھر عزم مصمم ہوگیا کہ یہ گرانقدر مجموعہ اسی موقع سے منظر عام پر آنا چاہیے۔ چونکہ بہت سارے مواد میں نے از خود پہلے ہی اکٹھا

کر رکھے تھے اس لیے مزید کی جستجو بھی میرے ذمہ ہی رہی...... اس سلسلہ میں راقم نے جامعہ اشرفیہ کی مرکزی لائبریری، طلباے اشرفیہ کی لائبریری، اشرفی دارالمطالعہ، دارالعلوم خیریہ نظامیہ شہسرام کے نظامی دارالمطالعہ کو کھنگال ڈالا۔ الہ آباد اور خدا بخش لائبریری پٹنہ کا بھی ایک سفر ہوا۔ مقالاتِ امجدی کے عنوان سے ایک مختصر مجموعہ پہلے ہی سے مطبوعہ تھا۔ اسے بھی اس میں شامل کیا گیا۔ کچھ تحریریں حضرت کے مسودات سے حاصل ہوئیں۔ الغرض ممکنہ وسائل اور امکانی کوششوں کے بعد حضرت کے جن علمی نوادر کی بازیافت ہو سکی وہ سب تبییض، ترتیب اور پروف ریڈنگ کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس قیمتی علمی تحفے کی قدر و قیمت اور عظمت کے لیے حضرت کی بھاری بھرکم علمی شخصیت کا انتساب ہی کافی ہے۔ پھر بھی چند تعارفی سطریں حاضر ہیں۔

حضرت شارح بخاری، فقیہ العصر علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی کا علمی دبدبہ عالمگیر شہرت رکھتا ہے۔ علمی مصروفیات اور دینی خدمات آپ کی پوری زندگی کی شناخت ہیں۔ علمی تنوع، فکری بصیرت، اخذ و استنباط کا ملکہ، استحضار اور جودتِ بیان، تحقیقی رنگ، تردید کے باب میں تیکھی، دلچسپ اور مضبوط گرفت، دقیقہ رس، نکتہ آفرین فکر، اسلامی غیرت دینی حمیت، علما و مشائخ کا اکرام، ہم عصروں کا اعزاز، اصاغر کی رہنمائی اور ہمدردی، یہ سب آپ کی زندگی کے روشن بنیادی عناصر ہیں جن کی جھلک آپ کو ان تحریروں میں جا بجا بکھری نظر آئے گی۔

راقم نے دستیاب شدہ تحریروں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد درج ذیل ابواب میں منضبط کیا ہے:-

۱۔ تفسیرات ۲۔ فقہیات ۳۔ تحقیقات ۴۔ تنقیدات و تعاقبات ۵۔ شخصیات ۶۔ صدارتی خطبات ۷۔ سفرنامے ۸۔ تقریظات و پیغامات ۹۔ متفرقات

باب اوّل سے متعلق سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع تک کی تفسیر اور دیگر ابواب سے متعلق کل مضامین کی تعداد ۸۸ ہے جن میں بعض بہت مبسوط ہیں اور مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے فقہیات میں مسائل حج و زیارت، تنقیدات میں انکشاف حق پر ناقدانہ نظر، شخصیات میں مفتیٔ اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں اور صدر الشریعہ ایک ہمہ گیر شخصیت وغیرہ۔

ان ابواب میں ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے اور ۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است کی شان رکھتا ہے۔ مگر تحقیقات اور تنقیدات بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ شخصیات میں آپ جگہ جگہ محسوس کریں گے کہ شارح بخاری کا سینہ ہر بزرگ کے واسطے کشادہ ہے۔ خواہ وہ کسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہوں اور ان سے تلمذ و بیعت کا تعلق ہو یا نہ ہو جیسے صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ

آپ کے وصالِ پُر ملال پر حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ جذبۂ عقیدت سے سرشار ہو کر ایک شاندار اور مفصل مضمون رقم کیا جو ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رامپور میں شائع ہوا۔ افسوس اس قیمتی مضمون تک رسائی نہ ہو سکی۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ کا ذکرِ جمیل جس عقیدت و محبت اور ولولے کے ساتھ ماہنامہ اشرفیہ کے صدر الشریعہ نمبر میں حضرت نے اپنے مضمون میں کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ لائق تقلید ہے بلکہ اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت اشرفی میاں قدس سرہٗ کا ایسا والہانہ تذکرہ میری نگاہ سے نہیں گذرا...... حضرت کی فقہی بصیرت کی تو دنیا قائل ہے اور اس پر آپ کے ہزاروں فتاویٰ شاہد ہیں جو ترتیب کے مراحل سے گذر رہے ہیں۔ خدا کرے وہ جلد ہی باحوصلہ افراد کے ہاتھوں سے مرتب ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں کہ نزھۃ القاری کے بعد یہ آپ کی عبقریت کی شاندار دستاویز ہوگی۔ لیکن اس مجموعہ میں فقہیات کے باب میں انجکشن سے روزہ نہ ٹوٹنے سے متعلق مضمون حضرت کی فقہی بصیرت کا لافانی شاہ کار ہے۔ حضرت کے سفر نامے، صدارتی خطبات اور سوانحی مقالوں سے حضرت کی نثر نگاری کا جوہر خوب نمایاں ہے۔ اُن کے مطالعہ کے بعد حضرت کی انشا پردازانہ مہارت کا بھی ہر منصف اعتراف کرے گا۔ ''تقریظات و پیغامات'' ذیلی چیزیں شمار ہوتی ہیں لیکن حضرت نے اس باب میں بھی بڑے قیمتی افادات رقم فرمائے ہیں جو اس کتاب کے موضوع کی روح کہے جا سکتے ہیں۔ حضرت بحر العلوم علامہ عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہٗ کی کتاب ''نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن'' کے ترجمہ پر حضرت کا مقدمہ اس کا بہترین ثبوت ہے۔ متفرقات کے باب میں ''مہر اور جہیز کے سلسلہ میں ایک گذارش'' اور ''اشرفیہ کا وفد بمبئی میں'' حضرت کی دینی ہمدردی کے قیمتی جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ الغرض پورا مجموعہ گراں قدر افادات سے لبریز ہے کہاں تک تعارف کرایا جائے۔ صرف دو مضمون پر تبصرہ سپردِ قلم ہے۔

ارضِ مقدس اور یہودی تغلب:- دشمنانِ اسلام امریکہ، فرانس، برطانیہ، روس نے در بدر کی ٹھوکریں کھانے والے یہودیوں کو فلسطین کا ایک حصہ دے دیا۔ پوری دنیا کے مسلمان احتجاج کرتے رہے مگر اس کا ان پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ اللہ عزوجل کی شانِ بے نیازی کے مصر، اردن وغیرہ نے ارضِ مقدس کو یہودیوں سے خالی کرانے کی جو بھی کوششیں کیں وہ سب کی سب ناکام ہوئیں۔ یہودیوں سے جتنی جنگیں کیں سب میں شکستیں کھائیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں یہودیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ ابغضب من اللہ (بقرہ آیت ٦١)

ترجمہ: اور اُن پر مسلط کر دی گئی خواری اور ناداری اور وہ اللہ کے غضب میں لوٹے۔

مسلمانوں کے مقابل میں یہودیوں کی ہر محاذ پر فتح اور ان کی روز افزوں ترقی نے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ یہ سوال بہت اہم اور غیر معمولی تھا۔ ملت کے

سارے مفکرین اس کے جواب میں الجھے ہوئے تھے اور طرح طرح کے جوابات دیئے جارہے تھے۔ بہت سے جوابات اپنی جگہ درست بھی تھے لیکن بہتیرے لوگوں کو ان سے تشفی نہیں ہوتی تھی۔ بالآخر حضرت شارح بخاری نے قرآن مجید ہی سے ایک ایسا جواب ڈھونڈ نکالا جس پر علمی دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ شریف میں جو آیت ہے اس کی تفصیل سورۂ آل عمران رکوع ۸ میں موجود ہے...... ارشاد ہے: **ضربت علیهم الذلة اینما ثقفوا الا بحبل من الله و حبل من الناس.**

ترجمہ:- ان پر خواری جمادی گئی جہاں بھی رہیں مگر جب کہ اللہ کی رسی یا آدمیوں کی رسی پکڑ لیں۔

اس آیتِ مبارکہ کا صریح مفہوم یہ ہے کہ یہودی جہاں بھی رہیں گے ذلیل وخوار رہیں گے مگر جبکہ اللہ کی رسی پکڑ لیں یا دوسرے لوگوں کی رسی پکڑ لیں۔ یہ ذلت وخواری سے چھوٹنے کی استثنائی حالت کا بیان ہے۔ اللہ کی رسی پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں اور لوگوں کی رسی پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور طاقت اور قوم کی پناہ میں آجائیں یعنی اگر وہ تنہا اپنی قوت سے چاہیں تو ذلت سے چھٹکارا نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس پر یہودیوں کی ہزارہا سالہ تاریخ شاہد ہے۔ ہاں اگر مسلمان ہو جائیں تو جو عزت مسلمانوں کو حاصل ہے انھیں بھی حاصل ہو جائے گی۔ یا یہ کہ وہ دنیا کی کسی طاقتور قوم کی پناہ حاصل کرلیں تو دنیا میں عزت پاسکتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ اسرائیلی حکومت امریکہ نے قائم کی ہے اور یہودیوں کی موجودہ بقا و ترقی سب امریکہ کی دین ہے۔ شارح بخاری فرمایا کرتے تھے: اسرائیلی حکومت امریکہ کی ناجائز اولاد ہے۔ آج اگر امریکہ یہودیوں کی پشت پناہی چھوڑ دے تو پھر دنیا دیکھے گی کہ ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اسی مضمون کو حضرت شارح بخاری نے اپنے اس عنوان میں انتہائی دلچسپ اور تحقیقی پیرایے میں سپرد قلم فرمایا ہے۔

یزید کا مسئلہ :- دیوبندی برادری کا ایک مایۂ ناز فرزند محمود احمد عباسی امروہوی نے یہ شگوفہ چھوڑا کہ یزید خلیفۂ برحق تھا، امامِ عالی مقام سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ خاطی و باغی تھے، یزید کے بارے میں حدیث میں بشارت آئی ہے کہ وہ بخشا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں اس نے بخاری شریف کی یہ حدیث پیش کی:-

اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم

ترجمہ:- میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے اسے بخش دیا جائے گا۔

اپنی دیوبندی سرشت کے مطابق امروہوی نے مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ مراد لیا اور دھاندلی سے اس لشکر کو جس میں یزید ایک معمولی سپاہی کی طرح شریک تھا اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ آور قرار دیا۔

اس کی اس گمراہ کن عبارت کا جواب ہمارے اجلہ علمائے اہل سنت نے مختلف پیرائے میں دیا جو ماہنامہ پاسبان کے حسین نمبر ''کربلا کا مسافر'' میں موجود ہے۔ حضرت شارح بخاری نے بھی خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی فرمائش پر قلم اٹھایا اور عنوان کا حق ادا کردیا۔ جس کا جی چاہے کربلا کا مسافر نمبر پڑھ لے وہ خود سمجھ لے گا کہ شارح بخاری کا مضمون اس نمبر کی جان ہے۔

پاسبان کے لیے جو مضمون حضرت نے تحریر فرمایا تھا وہ شارحین حدیث کی ترجمانی تھی مگر اس کے بعد حضرت مولانا حافظ مبین الدین امروہوی علیہ الرحمہ کی رہنمائی میں حضرت شارح بخاری نے اس حدیث پر تحقیق شروع فرمائی تو بڑے بڑے محققین انگشت بدنداں رہ گئے۔ اس حدیث پر تین طریقے سے کلام فرمایا۔

اوّل:- حدیث میں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں مدینہ قیصر ہے جس کا ترجمہ ہوگا ''قیصر کے شہر پر یعنی میری اُمت کا وہ پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا بخشا جائے گا۔ اس سے خاص قسطنطنیہ ہی مراد ہے یہ کہاں ہے؟ قیصر کی حدود سلطنت کا کوئی بھی شہر مراد ہوسکتا ہے۔ اس کے پیش نظر قیصر کے شہر پر پہلا حملہ عہدِ رسالت میں ''موتہ'' پر ۸ھ میں ہوا تھا۔ اب اس حدیث کے مصداق غزوۂ موتہ کے مجاہدین ہوں گے۔ یہ نکتہ حضرت نے از خود استخراج فرمایا بعد میں تیسیر شرح جامع صغیر کے حاشیہ میں بھی یہی نکتہ تحریر ملا جسے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا تھا۔ یہ تطابق دیکھ کر حضرت شارح بخاری کو جس قدر خوشی ہوئی اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

دوم:- اگر مدینہ قیصر سے اس کا دارالسلطنت مراد ہو تو عہد رسالت میں اس کا دارالسلطنت حمص تھا۔ جو ۱۶ھ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ مبارک میں فتح ہوا۔ اس تقدیر پر اس حدیث کے مصداق حمص فتح کرنے والے مجاہدین ہوں گے۔

سوم:- اور اگر کسی کو یہی ضد ہو کہ مدینہ قیصر سے خاص قسطنطنیہ ہی مراد ہے تو بھی اس حدیث کا مصداق یزید نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ۳۲ھ میں کیا تھا۔ اس تقدیر پر اس کے مصداق اس لشکر کے مجاہدین ہوں گے نہ کہ یزید..... اس کے بعد ۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ ۴۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالد سیف اللہ نے کیا تھا اور جس لشکر میں یزید شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر چوتھا یا پانچواں حملہ تھا۔ اس لیے یزید اس حدیث کا مصداق ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔

چہارم:- حضرت شارح بخاری نے انتہائی محققانہ طریقے سے ثابت فرمایا ہے کہ اس تقدیر پر بحری راستے سے جو پہلا لشکر مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ آور ہوگا وہی لشکر الفاظِ حدیث سے مراد ہے۔ یزید بڑی راستہ سے گیا تھا۔ بحری راستہ سے نہیں اس لیے اس حدیث کا مصداق اس کا لشکر ہو ہی نہیں سکتا۔

امروھوی صاحب نے یزید کے خلیفۂ برحق ہونے پر بڑے شد و مد کے ساتھ بحث کا دوسرا رخ یہ پیش کیا ہے کہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ برحق تھے۔ اور یہ بھی اہل سنت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ خلیفۂ برحق اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نامزد کردے تو وہ بھی خلیفۂ برحق ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں یزید کو اپنا ولی عہد و جانشین مقرر فرما کر اجلۂ صحابہ کرام اور عام مسلمانوں سے اس کی بیعت بھی لے لی تھی اس لیے یزید کے خلیفۂ برحق ہونے میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اہل سنت کے اجماع کے خلاف کرتا ہے۔ اور جب یزید برحق خلیفہ ہے تو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے خلاف خروج خطا اور بغاوت تھی۔

امروھوی کی اس خرافاتی بحث کا جواب ہمارے علماء اہل سنت نے متعدد طریقوں سے دیا ہے۔ حضرت شارح بخاری کی محاسباتی گفتگو نے تو اس استدلال کی جڑ کاٹ کے رکھ دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا جانشین منتخب کرنے کے مجاز ہی نہ تھے کیونکہ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ مولائے کائنات امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلیفۂ برحق سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے اختلاف کیا نوبت جنگ تک پہنچی، نزاع ختم کرنے اور مسلمانوں کو ہلاکت و تباہی سے بچانے کی خاصر مصالحت ہوئی۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رفع نزاع اور اصلاح کی خاطر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صرف ان کی حیات مبارکہ تک کے لیے خلافت سپرد فرمائی اور خود دست کش ہوگئے۔ صلح نامہ کی اہم ترین دفعہ یہ تھی:-

''حضرت معاویہ تا حیات خلیفہ رہیں گے اور ان کے بعد خلافت کا حق سیدنا امام حسن مجتبیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو رہے گا۔''

اس معاہدہ کی روشنی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جانشین نامزد کرنے کے مجاز نہ تھے اس لیے آپ کا انتخاب ساقط اور شرعاً غیر معتبر تھا۔ آپ کے وصال کے بعد یہ حق امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا۔ لیکن حضرت بھی واصل بحق ہو چکے تھے اس لیے اس کی ذمہ داری ملت کے ارباب حل وعقد کے سر جاتی ہے۔ اور اس کے بارے میں مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یزید کا انتخاب شورائی انداز میں نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ از خود غزہ کرکے تخت خلافت پر براجمان ہوگیا تھا۔ اس لیے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کی خلافت کو تسلیم نہ کرنا بالکل حق بجانب تھا اسے نہ خطا کہہ سکتے ہیں نہ بغاوت ......''

اس طرح کی فیصلہ کن بحثیں آپ کو ان مقالات میں جگہ جگہ ملیں گی جن سے قارئین از خود حضرت کی ہمہ جہتی، فنی جامعیت، محققانہ بصیرت، وسعت مطالعہ اور استحضار کے اعتراف پر مجبور ہوں گے۔

یہ مجموعہ بڑی کاوش سے اکٹھا ہوا۔ اس کی ترتیب، تصحیح، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں دو سال کا

عرصہ صرف ہوا۔ تقریظات کے باب میں مصنفین کتب کے حالات کا اضافہ ناچیز کی جانب سے کیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین تشنہ نہ رہیں۔ اس جاں فشاں تجربے سے اندازہ ہوا کہ ترتیب اور ایڈیٹنگ بھی تصنیف سے کچھ کم وقت طلب نہیں ہے۔ اب اس کے بعد اللہ نے چاہا تو حضرت شارح بخاری مدظلہ کی بھنگوال ضلع گونڈہ یوپی کے تحریری مناظرے کی روداد بھی آپ کے سامنے ہوگی۔ جس کی ترتیب کا کام بھی ناچیز کے سپرد ہے۔ مولی تعالیٰ میری یہ دینی کاوشیں قبول فرمائے اور دین اور اساطین دین کی خدمت کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الامین علیہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم۔ طالب دعا

ارشاد احمد رضوی مصباحی (ساحل شہسرامی علیگ)

اب اخیر میں مقالات شارح بخاری (۳ جلد) کی فہرست پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین اس کے مندرجات کی اہمیت کا قدرے اندازہ کر سکیں۔

فہرست مقالات شارح بخاری

۲۔ ارضِ مقدس اور یہودی تغلب
۳۔ حدیث جبرئیل
۴۔ پیغمبر خدا قانون ساز بھی ہیں
۵۔ ایک پیکرِ نور کی رہ گذر (اسلام آباء و امہاتِ رسول)
۶۔ حضرت عائشہ کی پاک دامنی
۷۔ تاریخ ولادتِ نبوی
۸۔ عید میلاد النبی ﷺ
۹۔ خلائی سفر اور قرآن
۱۰۔ ایصالِ ثواب کتاب وسنت کی روشنی میں
۱۱۔ سیرۃ النبی کی بنیادی کتابیں
۱۲۔ تقلید شخصی کی شرعی حیثیت
۱۳۔ اسلامی فکر کی تعمیر نو

☆ تنقیدات وتعاقبات

۱۔ خلافتِ معاویہ ویزید
۲۔ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ
۳۔ یزید پلید
۴۔ فیصلہ کن بحث
۵۔ مسلمانوں کے فرقے
۶۔ اہل سنت اور دیوبندیوں کے مابین بنیادی اختلافات
۷۔ تبلیغی جماعت کیا ہے؟
۸۔ غیر مقلدین سے چند سوالات
۹۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حافظے پر اعتراض
۱۰۔ اعلیٰ حضرت کے اشعار پر اعتراض کا جواب
۱۱۔ امام احمد رضا بریلوی اور مولانا خیر الدین دہلوی
۱۲۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت
۱۳۔ انکشاف حق پر ناقدانہ نظر
۱۴۔ مسئلہ امامت پر مخالفین کے دلائل کا جائزہ

☆ شخصیات

۱۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زرین کارنامے
۲۔ حضرت امام نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ
۳۔ امام فخر الدین عراقی قدس سرہٗ
۴۔ سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ
۵۔ کیا کیا کہوں تجھے (مفتیٔ اعظم کا ذکر جمیل)
۶۔ مفتیٔ اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں
۷۔ صدر الشریعہ ایک ہمہ گیر شخصیت
۸۔ شیر بیشۂ سنت کی مناظرانہ شان
۹۔ حافظ ملت بحیثیت مفسر
۱۰۔ حافظ ملت کا اندازِ تدریس
۱۱۔ حیاتِ حافظِ ملت کا درخشاں باب
۱۲۔ حضرت احسن العلماء کا مختصر تعارف
۱۳۔ حضرت محدث اعظم پاکستان
۱۴۔ کیا مولانا سردار احمد صاحب محدث تھے؟
۱۵۔ حضرت مجاہد ملت بحیثیت مناظر

☆ صدارتی خطبات

۱۔ خطبۂ صدارت حافظ ملت سیمینار
۲۔ خطبۂ استقبالیہ فقہی سیمینار اوّل
۳۔ خطبۂ صدارت فقہی سیمینار ششم
۴۔ خطبہ صدارت صدر الشریعہ سیمینار

☆ سفرنامے

۱۔ سفرنامۂ حرمین طیبین
۲۔ سفرنامۂ دعوت و تبلیغ

☆ تقریظات و پیغامات

۱۔ نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن
۲۔ حدیث نبوی ۔ چند مباحث و مسائل

۳۔ فتاویٰ امجدیہ سوم
۴۔ فتاویٰ امجدیہ چہارم
۵۔ صدرالشریعہ۔ حیات وخدمات
۶۔ فتاویٰ برکاتیہ
۷۔ فضل العلم والعلما
۸۔ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت
۹۔ راد المھند
۱۰۔ مسئلہ مرغوب
۱۱۔ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں
۱۲۔ الاقوال القاطعہ فی رد موائد الوھابیہ
۱۳۔ مناظرۂ اودری
۱۴۔ مدارنجات
۱۵۔ صحیفۂ فقہ اسلامی
۱۶۔ جدید بینک کاری اور اسلام
۱۷۔ شیئر بازار کا مسئلہ
۱۸۔ تذکرۂ سید سالار مسعود غازی
۱۹۔ شیئر بیشۂ سنت۔ ایک تحقیقی مطالعہ
۲۰۔ خطیب مشرق حیات وخدمات
۲۱۔ مفتیٔ ہند کا پیغام
۲۲۔ پیغام

☆ متفرقات

۱۔ مہر اور جہیز کے سلسلے میں ایک گذارش
۲۔ اشرفیہ کا وفد بمبئی میں
۳۔ کل ہند شرعی بورڈ کی معروضات
۴۔ الانصار ٹرسٹ بنارس
۵۔ ظرافتیں

I I I I I I

امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی کی باتیں

از: سراج الدین شریفی، مغل پورہ، سہسرام، بہار

موزوں جسامت، وجیہہ صورت، گورا رنگ اور انتہائی خوبصورت وسفید داڑھی میں ایک خاص قسم کی چمک یعنی تقویٰ کی دمک، یہ ہے اہل سنت و جماعت کے امامِ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی کا سراپا جو علومِ اسلامی کے علاوہ ہیئت و ہندسہ، توقیت و مساحت، جبر و مقابلہ، ارثماطیقی، مثلث مسطح، مثلث کروی، زیج، اعمال سعیہ، عمل بالخطائین، علم الاسطرلاب، علم الربع المجیب، علم الحساب، علم لوگارثم، علم جفر، مناظرہ ومرایا، رمل وتکسیر، علم الابعاد جیسے کم یاب علوم وفنونِ قدیمہ پر عالمِ اسلام میں آج تنہا دسترس رکھتے ہیں۔ چند سال قبل تک خواجہ صاحب کی صف میں ایک اور پُروقار شخصیت تھی جسے دنیا علامہ شبیر احمد خاں غوری کے نام سے جانتی ہے۔ علمائے اہل سنت خواجہ صاحب کا نام بہت ادب و احترام سے لیتے ہیں۔ اور مذکورہ علوم وفنون سے متعلق مسائل پر اُن سے حل طلب کرتے ہیں۔ اُن کی خدمات حاصل کرنے کے لیے درس گاہوں کے ذمہ داران میں ہوڑ لگی رہتی ہے۔ وہ ایک مقتدر عالم دین، تجربہ کار مدرس، سنجیدہ مقرر، منطقی وفلسفی کے علاوہ ایک باوقار پیر ومرشد بھی ہیں۔ ان کی صاف گوئی و بے باکی بہت مشہور ہے۔ وہ تمام بڑی خانقاہوں جیسے بریلی شریف، کچھوچھہ شریف اور بدایوں شریف میں یکساں طور پر مقبول ومعتبر ہیں۔ اسلامی کیلنڈر کے حساب سے وہ بہترویں پائیدان پر ہیں۔ وہ پچھلے تین مہینوں سے ذیابیطس اور گردے کی تکالیف میں گرفتار ہیں۔ ہر مہینے ایک ہمراہی کے ساتھ ٹرین کے A.C. class سے ممبئی کا سفر اُن کی مجبوری بن گئی ہے۔ جہاں کے مشہور ومعروف جسلوک اسپتال میں ان کا معائنہ ومعالجہ ہوتا ہے۔ پچھلے ۲۶، ۲۷ مارچ کو عرس قائدِ اہلسنت جمشید پور میں شریک ہوئے تھے جہاں انھیں اُن کی پچاس سالہ دینی وعلمی خدمات کے اعتراف میں ''قائدِ اہل سنت ایوارڈ'' اور ''عمدۃ العقلاء'' کا خطاب دیا گیا۔ یہاں سے وہ سیدھے ممبئی چلے گئے، جہاں سے ۷/اپریل کو واپس چرا محمد پور تشریف لائے۔ ایک تو بڑھاپا دوسرے تکلیف دہ بیماریاں اور اس پر لمبے اسفار کی تکالیف وتکان جن سے خواجہ صاحب کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی۔ اس وقت وہ بہت زیادہ کمزور ہوگئے ہیں۔ ۹/اپریل کی دوپہر میں جب چرا محمد پور نامی انتہائی چھوٹے گاؤں میں داخل ہورہا تھا تب ''درالعلوم اہل سنت نورالحق'' کی بڑی اور خوبصورت مسجد سے ظہر کی اذان ہورہی تھی۔ واضح رہے کہ مذکورہ ادارہ کو ایک حاجی صاحب تن تنہا چلاتے ہیں۔ نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد جب راقم خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ راقم سہسرام، بہار سے

صرف ان سے ملاقات کے لیے آیا ہے تو وہ حیرت اور مزید تکلیف کا اظہار کرنے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد اپنا مہمان بنالیا اور اس کے ساتھ مہمان نوازی کا حق بھی ادا کردیا۔ خواجہ صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ ۹ر اپریل ۲۰۰۵ء کی دوپہر سے ۱۰ر اپریل ۲۰۰۵ء کے دن دس بجے تک چلتا رہا۔ تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: تاریخ پیدائش کے لیے تو کاغذات دیکھنے ہوں گے البتہ میری پیدائش ضلع پورنیہ، بہار میں ہوئی اور اس وقت میری عمر ۷۲ سال ہے۔ میری تعلیم و تربیت خود والدِ ماجد حضرت مولانا خواجہ زین الدین صاحب نے کی تھی۔ جو اس وقت علاقے کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے کٹیہار (بہار) اور بریلی شریف میں ملک العلما سید ظفر الدین بہاری، مولانا سلیمان اشرفی بھاگل پوری، مولانا محمد یوسف صاحب پٹنوی، مولانا ثناء اللہ صاحب مئوی، مولانا معین الدین صاحب اعظم گڑھی، مولانا غلام جیلانی صاحب اعظم گڑھی اور مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی گھوسی کی درس گاہوں میں حاضری دی۔

سوال: عالمِ اسلام میں آپ کم یاب علوم وفنونِ قدیمہ کے واحد امین وعلم بردار ہیں۔ آپ نے اپنی علمی وفنی امانت کو کس طرح محفوظ کیا ہے؟

جواب: موجودہ زمانہ میں چونکہ حصولِ علم برائے معاش ہوگیا ہے اس لیے اس سلسلے میں صعوبات برداشت کرنے اور ان بھاری بھرکم بوجھوں کو اُٹھانے والے نہیں ملتے۔ سب سہل پسند ہوگئے ہیں۔ ویسے یہ امانت مولانا قاضی شہید عالم کٹیہاری اور مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی کی طرف کچھ حد تک منتقل ہوچکی ہے۔

مزید کریدنے پر انھوں نے بتایا کہ ''مولانا قاضی شہید عالم علومِ قدیمہ کا کچھ زیادہ علم رکھتے ہیں جبکہ مفتی مطیع الرحمٰن علومِ قدیمہ کا علم کچھ کم مگر فقہ میں گہرائی زیادہ ہے۔''

سوال: چونکہ آپ نے مذکورہ علوم وفنون کو بغیر کسی استاد کے صرف اپنی کوششوں، مطالعہ اور تحقیقات وغیرہ کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ کیا مختلف مسائل کے حل و نتائج اخذ کرتے وقت آپ کبھی خطا نہیں کرتے؟

جواب: میرے اخذ شدہ حل و نتائج بالکل درست و معتبر ہوتے ہیں۔ میرے پاس پوری دنیا سے ہیئت وفلکیات سے متعلق سوالات آتے ہیں جن کا میں بالکل درست اور تشفی بخش جوابات دیتا ہوں۔

سوال: کیا علومِ قدیمہ سے متعلق آپ کی تصانیف بھی ہیں؟

جواب: ان علوم وفنون پر کوئی تصنیف تو نہیں ہے البتہ ان سے متعلق مضامین میں مسلسل لکھتا آرہا ہوں۔ (ویسے خواجہ صاحب، صاحب تصانیف بھی ہیں۔)

سوال: آپ نے مذکورہ علوم وفنون کی حفاظت کے لیے جتن کیوں نہیں کیا؟

جواب: میری مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کام کے لیے وقت ہی نہیں بچتا ہے۔

سوال: کیا اب یہ سمجھا جائے کہ آپ کے ساتھ ہی مذکورہ نایاب وکم یاب علوم وفنون بھی دنیا سے اٹھ جائیں گے؟

جواب: جی ہاں، شاید ایسا ہی ہو۔

سوال: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی خدمات کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب: مذکورہ ادارہ موجودہ دور میں تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی میدانوں میں سب سے زیادہ اور اہم ترین خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کا معیار ومقدارِ تعلیم اپنی جماعت میں سب سے زیادہ بلند وبالا ہے اور فقیہ اعظم ہند، شارح بخاری علیہ الرحمہ اس ادارہ کے سب سے بڑے خدمت گار تھے۔

سوال: ماہ نامہ ''اشرفیہ'' مارچ ۲۰۰۵ء کے اداریہ میں لکھا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ والوں نے کئی بار اپنے پوسٹروں میں دارالعلوم دیوبند کے ساتھ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا فوٹو شائع کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: مذکورہ بورڈ والوں نے خود میرے ساتھ بھی ایسی پر فریب، گمراہ کن اور غیر اخلاقی کارستانیاں کی ہیں۔ چنانچہ میرے بار بار منع کرنے کے بعد بھی میرا، ثمر دہلوی اور ایک بدایونی حافظ کے ناموں کو اپنے پوسٹروں میں بار بار استعمال کیا ہے۔

سوال: آپ چھ سال تک مدرسۂ قادریہ، بدایوں شریف میں رہے ہیں۔ وہاں آپ کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا؟

جواب: بہترین سلوک کیا گیا بلکہ میری بہت زیادہ قدر دانی کی گئی یہاں تک کہ وہاں ایک ماروتی کار کے علاوہ میرے وزن بھر چاندی دینے کی پیش کش کی گئی تھی جسے میں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اتنی دولت اور کار لیکر میں کیا کروں گا؟ یہ پیش کش حضرت تاج الفحول صد سالہ جشن کے موقع پر ۱۹۹۸ میں کی گئی تھی۔ اس موقع پر مولانا عبدالمبین نعمانی بھی موجود تھے۔

واضح رہے کہ اسی تقریب میں مولانا اُسید الحق قادری بدایونی کی دستار بندی ہوئی تھی جنہیں خواجہ صاحب نے خاص طور پر تعلیم وتربیت دی تھی اور آج بھی چڑ احمد پور میں مولانا عطیف قادری بدایونی دن رات خواجہ صاحب کی خدمت میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کر رہے ہیں۔ محترم عطیف قادری صاحب نے راقم سے کہا تھا کہ ''خواجہ صاحب کو چھوڑ کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا ہے'' دوسری طرف خواجہ صاحب نے راقم سے کہا کہ ''میں عطیف قادری کو برابر کہتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی کی طرح تم بھی جامعہ ازہر وغیرہ

جا کر تعلیم حاصل کرو۔ واضح رہے کہ مذکورہ دونوں قادری علماء موجودہ سجادہ نشین بدایوں شریف کے بڑے اور منجھلے بیٹے ہیں۔

سوال: آپ اتنے بڑے اور اتنے معزز عالم و فاضل ہو کر بھی ایک انتہائی چھوٹے گاؤں میں کیوں اور کیسے رہ رہے ہیں؟

جواب: میں بھیڑ سے دور پُرسکون ماحول میں رہنا اور کام کرنا چاہتا ہوں اور یہاں یہ دونوں سہولیات میسر ہیں اس لیے رہ رہا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شہری یا بڑی درسگاہوں میں گروہ بندیاں اور چپقلشیں یا اس قسم کی دوسری بُرائیاں بہت ہوتی ہیں جو مجھے پسند نہیں ہیں۔ مجھے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کئی بار مبارکپور بلایا مگر میں نہیں گیا۔ ان کے بعد بھی وہاں سے بُلاوے آئے مگر پھر بھی نہیں گیا۔ مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعہ رضا بریلی شریف سے بھی بلاوہ آیا مگر میں وہاں بھی نہیں گیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے اداروں سے بھی بلاوا آیا مگر میں اپنے فیصلے پر قائم رہا۔

خواجہ صاحب ایک سنجیدہ اور سلجھے ہوئے مقرر بھی ہیں۔ جب وہ تندرست و توانا تھے تو خوب تقریریں کیا کرتے تھے اور مناظروں میں حضرت مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ وہ آج بھی ۱۲ گھنٹے تقریر کر سکتے ہیں۔ ان کی تقریریں منطقیانہ و فلسفیانہ ہوتی ہیں۔ ان کی درسگاہ میں کتابیں نظر نہیں آئیں تو مجھے حیرت ہوئی اور سوال کیا کہ بغیر پیشگی کتاب دیکھے آپ اتنے دروس کیسے دیتے ہیں؟

جواب: میرے زیر درس تمام کتابیں میرے حافظے میں محفوظ ہیں اس لیے مجھے کسی کتاب کو دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔

خواجہ صاحب مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے مرید و خلیفہ ہیں مگر انہوں نے اب تک کسی کو بھی داخلِ سلسلہ نہیں کیا ہے۔ البتہ پانچ اشخاص کو اُن کے اصرار پر اپنی خلافت ضرور دی ہے۔ پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ "میرے نظریات پیری مریدی کے موجودہ طور طریقے سے میل نہیں کھاتے اس لیے میں نے اس میدان میں قدم نہیں رکھا۔ میرے پیر و مرشد نے خود سے مجھے اپنی اجازت و خلافت دی تو لے لی اور اسی طرح جب مولانا قاضی شہید عالم کٹیہاروی، مولانا محبوب عالم کٹیہاروی، مولانا ایاد علی پورنوی، مفتی مشرف عالم سیتا مڑھی اور ایک اور صاحب نے جب اقرار کیا تو انہیں اپنی خلافت دے دی۔

خواجہ صاحب ذیابیطس کے علاوہ گردے کی تکلیف میں بھی گرفتار ہیں اس لیے انہیں پچھلے تین ماہ سے ہر ماہ ممبئی کا سفر لازمی ہو گیا ہے۔ جہاں کے مشہور و معروف جسلوک اسپتال میں ان کا معائنہ اور معالجہ ہوتا ہے۔ اس وقت وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں اور گرمی کا موسم بھی ہے اس لیے وہ ایک ہمراہی کے ساتھ ٹرین کے A.C. Class میں سفر کرتے ہیں۔

سوال: آپ اتنا خرچ کہاں سے برداشت کرتے ہیں؟

جواب: مجھے اپنے گھر پر خرچ نہیں بھیجنا پڑتا ہے کیوں کہ وہاں اہلیہ کے علاوہ صرف پوتے پوتیاں ہیں اور وہ کافی خوشحال ہیں اس لیے میں معاشی طور پر بے فکر ہوکر اپنا علاج کر رہا ہوں اور دینی و تدریسی خدمات بھی انجام دے رہا ہوں۔

کریدنے پر مزید بتایا کہ "گھر پر کافی کھیتی وغیرہ ہے، میرے سسرال میں تو اور بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ جس وقت میں بریلی شریف میں تدریسی خدمات پر مامور تھا اس وقت میری تنخواہ میرے خرچ سے بہت کم تھی اس لیے میری اہلیہ پورنیہ سے روپے وغیرہ بھیج کر میری مدد کرتی تھیں۔ بفضل الٰہی آج بھی ان کی اہلیہ محترمہ باحیات ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو تیس سال کی عمر پا کر جنت نشین ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے صبر و شکر اور دینی ایثار و قربانی پر بہترین اجر عطا فرمائے اور انہیں بہترین صحت و سلامتی کے ساتھ تادیر قائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

سوال: دینی علم و عمل ہندوستان میں زیادہ ہے یا پاکستان میں؟

جواب: یہ دونوں نعمتیں ہندوستان میں زیادہ ہیں۔ البتہ پاکستان قلمی خدمات کے میدان میں ہندوستان سے بہت آگے ہے اور لائق تقلید بھی۔

سوال: کیا رضا اکیڈمی ممبئی نے بھی آپ کو کوئی ایوارڈ دیا ہے؟

جواب: مجھے اس ادارے سے اب تک کوئی ایوارڈ نہیں ملا ہے۔ ویسے سعید نوری رضویت کے سلسلے میں بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

سوال: آپ نے میری حاضری پر حیرت کا اظہار کیا تھا کیا یہاں آپ سے ملنے کے لیے اور لوگ نہیں آتے؟

جواب: آتے ہیں۔ اصل میں کوئی خاص کام یا کوئی خاص ملاقات میں پیشگی اطلاع کے بعد ہی کرتا ہوں۔ (راقم نے ایسا نہیں کیا تھا)، یہاں مجھ سے ملنے کے لیے دوسرے لوگ بھی آتے ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ یہاں کوئی آکر پریشان ہو کیوں کہ یہاں تو ایک معمولی ہوٹل بھی نہیں ہے۔ اس لیے میری کوشش ہوتی ہے کہ میں خود ضرورت مندوں تک پہنچ جاؤں۔

سوال: مرکزی درسگاہوں کے متعلق کچھ معلومات فراہم کریں۔

جواب: عمارت اور معیار تعلیم دونوں کے اعتبار سے "جامعہ اشرفیہ مبارکپور" اوّل نمبر پر ہے، جب کہ عمارت کے اعتبار سے "دارالعلوم فیض الرسول" دوسرے نمبر پر ہے، اور معیار تعلیم کے اعتبار سے "جامعہ علیمیہ" دوسرے نمبر پر ہے و عمارتی جدیدیت کے اعتبار سے "مرکز الدرسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا" بریلی

شریف اوّل نمبر پر ہے"۔

خواجہ صاحب کے چند خاص تلامذہ یہ ہیں، مولانا قاضی شہید عالم صاحب، مفتی مطیع الرحمٰن مضطر صاحب، مفتی محمد ایوب مظہر صاحب، مولانا سید ہاشمی میاں کچھوچھوی صاحب، مولانا عارف صاحب، مولانا نثار الحسن صاحب، مفتی غلام حسین صاحب، مولانا ایاد علی صاحب، مولانا اسید الحق قادری صاحب، مولانا عطیف قادری صاحب، مولانا خوشتر نورانی علیگ صاحب۔

چند سال پیشتر دہلی میں علمائے اہلسنت کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری بھی شریک تھے۔ اسی میٹنگ میں یہ طے پایا تھا کہ خواجہ مظفر حسین رضوی اور علامہ شبیر احمد خاں غوری سے حضرت فاضل بریلوی کے علوم قدیمہ سے متعلق پیچیدہ تحریرات پر کام کرایا جائے۔ مگر افسوس کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی ہے جب کہ اسی دوران ایک ستارہ غروب ہو چکا ہے اور دوسرا اپنی لمبی عمر اور بیماریوں کے دور سے گزر رہا ہے۔ یعنی آخری ستارہ بھی غروب ہونے کے مرحلے میں ہے۔ اور وہ یہ ستارہ ہے جو ہمارا آخری مرکز امید ہے۔ اس سلسلے میں ضائع ہونے والا ایک ایک لمحہ نہایت قیمتی ہے۔
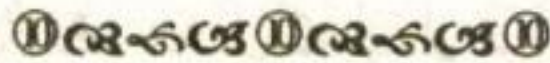
منقبت در شانِ اختر رضا خاں ازہری

از: ڈاکٹر بیت اللہ قادری، الامین میڈیکل کالج، بیجاپور

سیدی سیدی سیدی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
مرشدی، مرشدی، مرشدی، مرشدی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
رہبری، رہبری، رہبری، رہبری — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
عشق ہی، عشق ہی، عشق ہی، عشق ہی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
دلکشی، دلکشی، دلکشی، دلکشی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
دلبری، دلبری، دلبری، دلبری — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
ماہ بغداد کی چاندنی روشنی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
مہر بغداد کی شان جلوہ گری — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
سہروری کیے آپ چارہ گری — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
نقش بندی کی بھی آپ سے لو لگی — حضرت شیخ اختر رضا ازہری
ہیں اسیر آپ کے چشتی و قادری — حضرت شیخ اختر رضا ازہری

فکر رضا اور ہمارے کارنامے

سید صغیر حسین شاہ، پاکستان

اسلامی معاشرے کے استحکام اور اسلامی ثقافت کے فروغ کی بنیاد تعلیم کو قرار دیا گیا اور ساتھ ہی ایک مہذب معاشرہ کے قیام کے لیے قرآن وحدیث کے سمجھنے کے ساتھ دیگر عصری علوم وفنون جو انسانی زندگی کے روز مرّہ کے معاملات پر اثر انداز ہوں، کی بھی ترغیب دی۔ چنانچہ اسی وجہ سے اسلامی مدارس کے فارغ طلبا بڑے بڑے ماہر فلکیات، طبعیات داں، طبیب، ریاضی داں بنے جن میں البیرونی، الخوارزمی، بوعلی سینا، ابن الہیثم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ ان تعلیمی اداروں سے پڑھے یا ان کے فضلا وعلما سے یہ علوم سیکھے۔ لیکن آگے چل کر بدقسمتی سے مسلمان تقریباً ۵۰۰ سال خوابِ غفلت میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ایک ایسی ہستی کو پیدا کیا جس نے ہمارے اسلامی علوم کو زندہ فرمانے کے ساتھ ساتھ ۵۰۰ سال سے منقطع سلسلے کے ساتھ دوبارہ جوڑ دیا۔ جس کی سائنسی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ نوبل انعام کے لیے باعث فخر تھے۔ حالانکہ ان کے لیے نوبل انعام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جس نے علم ریاضی، فلکیات، طبعیات پر ۲۰۷ کے قریب کتابیں لکھ کر پوری دنیا کو اور مذہبی رہنماؤں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس دور میں بھی وہ پوری دنیا کے سائنس دانوں کے لیے ایک اہمیت اختیار کر گیا جب کہ وہ کسی مغربی سائنس داں سے بغیر سیکھے اتنی سائنسی مہارت حاصل کر گیا جو کہ آج ایک صدی بعد بھی ریاضی، فزکس میں ایم ایس سی کرنے والا بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

اس عظیم ہستی کے سائنس میں کارناموں کا اصل مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا تھا کہ سائنسی علوم سیکھو اور سکھاؤ لیکن قرآن وحدیث کے عین مطابق کیونکہ سائنسی علوم بذاتِ خود قرآنی علوم کی شاخ ہے۔

وہ ہستی ہمیں یہ درس دے رہی تھی کہ ہم اپنے مذہبی تعلیمی اداروں میں ان جدید علوم کو بھی سکھائیں۔ انہوں نے ہمیں معاشیات، سیاسیات وغیرہ میں بھی رہنمائی فرمائی۔ مختصر یہ کہ اُن کی خالصتاً سائنسی خدمات اُن کی کل خدمات کا دس فیصد حصہ کے برابر ہیں یعنی اگر کسی شخص نے اس ہستی کی علمی قابلیت کا اندازہ کرنے کے لیے ان کارناموں کو علیحدہ کر دیا تو اس نے ان کی شخصیت کا دس فیصد حصہ علیحدہ کر دیا۔

مگر افسوس کہ وہ آیا اور چلا گیا اور ہم بالکل اسی طرح خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آج بھی اپنے اکابر کو چھوڑ کر غیروں سے استفادہ کر رہے ہیں اور اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں لائے۔ ہم نے ایسا کر کے اپنے ساتھ اپنی آنے والی نسلوں کے ساتھ اور پورے عالم اسلام کے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم کا سب سے زیادہ ذمہ دار کون سا طبقہ ہوسکتا ہے۔ (۱) علما کا طبقہ (۲)

طالب علموں کا طبقہ (۳) عوام۔ میرے خیال میں علما ہی کے فرائضِ منصبی میں سے یہ کام بھی تھا کہ اس ہستی کے کارناموں کو اگلی نسلوں تک پہنچاتے اور اسی راستے کا انتخاب اپنے لیے بھی کرتے جس کی ہدایت اس عظیم رہنما نے کی تھی۔ آپ کا ذہن اس ہستی کے بارے میں ضرور سوچ رہا ہوگا کہ ایسی کونسی ہستی برصغیر میں پیدا ہوئی جو کہ ایک وقت میں اعلیٰ پایہ کی ماہر فلکیات' طبعیات' ریاضیات' ارضیات' فلسفہ' ان کی تمام شاخوں کے ساتھ ساتھ زمانے کے امام ابوحنیفہ جتنا مقام رکھتی تھی۔ جی ہاں اس ہستی کو امام ابوحنیفہ ثانی میں نہیں کہتا یہ تو علامہ کوثر نیازی نے کہا تھا کہ ان کی دینی خدمات کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ ثانی ہیں۔

جس عظیم ہستی کو ہم بھول گئے وہ ہستی حضرت علامہ مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی کی ہے جو کہ محدث' مفسر' متقی' عالم' فلسفی' منطقی' کامل' مجددِ برحق' کے القابات بھی رکھتا ہے۔ لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم نے اس کے احسانات کو پسِ پشت ڈال کر اور اس کی خدمات کو نظر انداز کر کے بہت بڑی علمی غلطی کی ہے۔ جس کی ذمہ داری صرف اور صرف علما کے طبقہ پر عائد ہوتی ہے جو اسے آج کی دنیا میں صرف اور صرف ایک شاعر کی حیثیت سے پیش کر سکے۔ اس کے جانشین اس کا پیغام صرف برصغیر میں بھی نہ پہنچا سکے جس کی وجہ سے عوام کی بہت بڑی تعداد اس عظیم مذہبی سیاسی رہنما کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور کچھ اس کی شخصیت کے منفی پروپیگنڈہ کر کے اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں جو کہ اس عظیم رہنما کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔

البتہ علما نے اپنے شرعی مسائل میں دلیل کے طور پر ان کا نام استعمال کیا، اپنی تقریروں کی چاشنی کے لیے ان کی شاعری کو استعمال کیا، اپنے فتاویٰ کو مدلل بنانے کے لیے ان کی تصانیف کا حوالہ دیا۔

یعنی معمولی سی محنت کے بعد اس عظیم ہستی کے علمی کارناموں سے استفادہ کر کے لوگوں نے بہت بڑی شہرت حاصل کی جو کہ امام کا مسلمانوں پر بالعموم اور علما پر بالخصوص بہت بڑا احسان ہے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں کہ کئی لوگ ان کی کتابوں کو پڑھ کر بڑے بڑے مفتی' مناظر' مبلغ بن گئے۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس عظیم علمی شخصیت کو پورے عالم اسلام میں اس کی تمام تر خدمات کے ساتھ پیش نہ کر کے پورے عالم اسلام بلکہ بنی نوع انسان اور اللہ عزوجل کے مجرم قرار پائے ہیں۔

ہماری رہنمائی کے لیے امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنے خون جگر کو جلا ڈالا لیکن ہماری غفلت' لاپرواہی' کاہلی' سستی نے مسلمانوں کو ان کے عظیم رہنما کی خدمات سے ناواقف رکھا۔

ہم بالخصوص علما کا طبقہ غفلت کی اتنی گہری وادیوں میں چلا گیا اور باہمی دست و گریباں ہو کر اپنی توانائی کو ایک دوسرے کو اکھاڑنے اور پچھاڑنے' اسے نیچا دکھانے' ملزم و مجرم قرار دینے کے لیے خرچ کرنا شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے ہمیں اپنی اصل ذمہ داریوں کو، فرائض کو پسِ پشت ڈالنا پڑا۔ اب تو ہمارے

باہمی تنازعوں نے ہماری ذہنی کیفیت ایسی بنا دی ہے کہ ہم اپنے اصلی مقصد و منزل کو ہی بھول گئے ہیں کہ ہمیں (یعنی علما کرام کو) کیا کرنا چاہیے' کیا بتانا چاہیے' کیا لکھنا چاہیے' کیا کچھ کیا ہے' کتنا کچھ کیا ہے' اور کیسا کیا ہے؟ علما کے باہمی تنازعات نے جہاں ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچایا وہاں ان کی ان لاپروائیوں کی وجہ سے ہم سے امام احمد رضا جیسی ہستی کے ساتھ بھی بہت بڑی زیادتی ہوئی ظلم ہوا۔

مثلاً (i) فتاویٰ رضویہ ایک عظیم علمی کارنامہ ستر سال کے بعد شائع کیا گیا اس کا ابھی تک کسی دوسری زبان میں ترجمہ نہ کیا جاسکا' جسے ابھی تک پورے عالم اسلام کے سامنے نہ پیش کیا جاسکا جب کہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس عظیم علمی شاہکار کا فارسی' عربی، انگریزی، فرانسیسی' جرمنی' روی' ترکی وغیرہ زبانوں میں ترجمہ ہوجانا چاہیے تھا۔

(ii) ترجمۂ قرآن کنزالایمان ایسا آسان، لطیف، پاکیزہ الفاظ سے مزین ترجمۂ قرآن جس کو ابھی تک کے عوام بھی نہیں جانتے اور عوام کی ایک بڑی تعداد میں اس ترجمہ کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کر دیا گیا ہے۔ جب کہ کم از کم پاکستان اور ہندوستان کی تو تمام زبانوں جس میں پنجابی' پشتو' بلوچی' ہندی، سندھی' بنگالی' گوجری و دیگر اور باقی بین الاقوامی زبانوں مثلاً فارسی' اجرمنی' فرانسیسی' چینی' کوریائی' میں بھی دستیاب ہونا چاہیے تھا جبکہ انگریزی میں بھی پورے پچاس سال بعد ترجمہ کیا گیا وہ بھی کسی عالم دین نے نہیں کیا بلکہ غیر عالم دین کی کاوش ہے۔

اسی طرح سائنسی کتابوں کی صرف فہرست جاری کر کے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا سے وابستہ علما اور باقی سارے علما مطمئن ہو جاتے ہیں جب کہ باقی امام احمد رضا کی پوری ایک ہزار سے زائد کتابیں پورے برصغیر کے کسی ''مکتبہ'' بک اسٹال سے نہیں مل سکتی ہیں البتہ صرف فہرست شائع کر کے تمام ادارے اور علما بری الذمہ ہوجاتے ہیں بلکہ وہ اسی کو ہی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

اعلیٰ مقام ہستیوں میں سے کسی کو بھی خیال نہیں آیا کہ ہم خود یہ کام نہیں کر سکتے تو حکومتی سطح پر قائم نیشنل بک فاؤنڈیشن، پاکستان ایک سرکاری ادارہ سے رابطہ کرلیا جائے۔ اگر وہ چھوٹے سے مولویوں کی کتابیں شائع کرسکتا ہے تو اتنے بڑے عظیم رہنما کی کتابیں تو بڑی خوشی سے شائع کرتا لیکن آج ایک صدی گزرنے اور پچاس سال پاکستان بنے ہوگئے کسی نے اس ادارہ کا دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹایا۔

افسوس تو اس بات کا ہے اور آپ بھی سن کر ضرور رنجیدہ ہوں گے کہ ابوالاعلیٰ مودودی جس کے پیروکار اور خود ساختہ اسلام کے ماننے والے پورے ملک کی آبادی کا تقریباً دو فیصد ہوں گے اس کی تقریباً تمام اہم کتابوں کا ترجمہ دنیا کی تمیں زبانوں میں آج سے چند برس قبل ہو چکا ہے اور عالم اسلام کے عظیم رہنما جس کے ہم خیال اور نظریاتی شاگردوں کی تعداد برصغیر میں ستر فیصد سے زیادہ اور پورے عالم اسلام

میں اسی فیصد ہے ان تک اس کا پیغام نہ پہنچایا جاسکا۔

ایم اے اسلامیات خالصتاً مذہبی مضمون ہے جس کا تعلق مذہب سے اتنا ہی گہرا ہے جتنا کہ درسِ نظامی کے مدارس کے نصاب کا۔ اس خالصتاً مذہبی نصاب میں شامل تمام کتابیں ان لوگوں کی ہیں جو امام احمد رضا کے دشمن ہیں دوسرے لفظوں میں حقیقی اسلام اور فقہ حنفی اولیا وصوفیا کے مسلک کے دشمن ہیں جن کی تعداد کل آبادی کا پچیس فیصد کے قریب ہے۔ انہوں نے چالاکی ہوشیاری سے ایسے چھوٹے موٹے اور خود ساختہ مولویوں کی کتابوں کو کورس میں شامل کیا ہے اور آج وہ وقت کے امام بن رہے ہیں۔ نئی نسل کو اس کے حقیقی بزرگوں سے دور کرنے کی اس گھناؤنی سازش کے خلاف کسی عالم دین نے آواز نہیں اُٹھائی۔ عوام اہل سنت کے خون جگر سے چلنے والی مذہبی تنظیموں کے رہنماؤں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ کسی نے بھی یونیورسٹیوں کے نصابی کمیٹیوں سے کبھی رابطہ نہیں کیا۔ کسی نے بھی کبھی اس کے متعلق کسی بھی دورِ حکومت میں وزیر تعلیم سے مطالبہ نہ کیا' کسی نے بھی اس خالصتاً مذہبی مسئلے پر کبھی احتجاج نہیں کیا۔ چونکہ اخبارات اور رسائل کو بیانات جاری کرنا سیاسی عمل کا ایک اہم حصہ ہے تو ہماری مذہبی تنظیموں نے اس کے متعلق کبھی سیاسی بیان بھی جاری نہیں کیا کہ یونیورسٹیوں کے نصاب میں اہل سنت کی بھی کتابوں اور مصنفوں کو شامل کیا جائے۔

شیعہ جو کہ کُل آبادی کے تقریباً پندرہ فیصد اور مودودی جو کہ کُل آبادی کا دو فیصد ہیں ان کی کتابیں ان کے جانشینوں اور مذہبی رہنماؤں نے شامل کرالیں۔ اہل حدیث جو کہ کُل آبادی کا دو فیصد بھی نہیں ان کی کتابیں شامل ہیں، دیوبندی جو کہ کُل آبادی کا ۲۲ فیصد ہوں گے کی کتابیں شامل ہیں۔ ان کے رہنماؤں نے، علمانے اپنے مصنفوں اور اکابرین کی کتابیں شامل کرالیں جب کہ اہل سنت جو کہ کل آبادی کا ۶۵ فیصد ہیں ان کے کسی مصنف کی کوئی کتاب شامل نصاب نہیں' حتیٰ کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی بھی کسی تصنیف کو اور علمائے اہل سنت کی کتابوں کو نا قابلِ قبول اور غیر معیاری بتایا گیا ہے۔ لیکن علما کرام اور مذہبی سیاستدانوں اور اہل سنت کے عوام جن کی آواز پر اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں انہوں نے اس قدر غفلت کا مظاہرہ کر کے آنے والی نسلوں کے بارے میں نہ سوچا کہ وہ کیا کر رہی ہیں؟ وہ کیا پڑھ رہی ہیں، کیا سیکھ رہی ہیں؟ اور یونیورسٹی میں اس نصاب کو پڑھنے والے طالب علم وہ ہوتے ہیں جن کے رہنما و قائد اپنے آپ کو امام احمد رضا کا پیروکار کہتے ہیں مگر عملی طور پر وہ کردارِ رضا کو، افکار رضا کو مسلمانوں تک پہنچانے میں نا کام رہے ہیں اور اہم مسئلہ جس کی طرف میں عوام و خواص کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ اسکولوں کا نصاب ہے۔ جس میں ہمیشہ بچوں کو ان کے اکابر مذہبی و ملی رہنماؤں' محسنوں کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے تا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان بچوں کے ذہنوں میں ان

لوگوں کی محبت اور عزت کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جائیں۔

کتابوں میں جن لوگوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے مثلاً رشید احمد گنگوہی، اشرفعلی تھانوی، قاسم نانوتوی، شبیر عثمانی، عبیداللہ سندھی، سید احمد بریلوی، اسماعیل شہید وغیرہ۔ ایک طرف تو اسّی فیصد ملکی آبادی ان لوگوں کی اسلام دشمنی اور پاکستان دشمنی کو بالکل نہیں جانتی۔ ہمارے علما نے ''تحریک بالاکوٹ'' کے بارے میں حقائق کو عوام اہل سنت کے سامنے صحیح طرح سے پیش نہ کیا۔ ''سید احمد بریلوی'' جسے مجدد کہا جاتا ہے، اس کے چہرے سے یہ نقاب نہ اتارا ''جمعیت علماء ہند'' کے علما اور دیگر پاکستان کے خلاف سازشوں کو عوام اہل سنت کے سامنے لانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

دوسری طرف یہ ظلم کیا گیا کہ انتہائی اہم معاملہ میں اس قدر چشم پوشی کی گئی کہ ہماری نئی نسلیں ہم سے سوال کر رہی ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے اصلی رہنما نہیں ہیں تو جو اصلی رہنما ہیں ان کے کردار کو کیوں تہہ خانوں میں اتارا گیا ہے۔ کتابوں، رسالوں، اخباروں میں شامل کیوں نہیں کرایا جاتا۔ تو اس کا جواب کسی بھی مذہبی، سیاسی، مسلکی تنظیم اور شخصیت کے پاس موجود نہیں ہے۔

اگر شیعہ محرم کے متعلق سبق کو کورس میں شامل کرا سکتے ہیں تو ہم عید میلاد النبی، گیارھویں شریف کے تذکرہ کی شمولیت کے لیے کوششیں کیوں نہیں کرتے۔ حضور غریب نواز، حضور داتا گنج بخش، امام احمد رضا، مفتی اعظم ہند، پیر مہر علی شاہ، شاہ عبدالعلیم، پیر جماعت علی شاہ، وغیرہم کا ذکر نصاب کی کتابوں میں کیوں نہیں ملتا جنہوں نے اپنے عمل، تحریر و تقریر کے ذریعے پورے ہندوستان و پاکستان میں تبلیغ اسلام کی، امن و آشتی کا پرچار کر کے دنیا بھر میں ان ممالک کا نام اونچا کیا۔

دراصل ہمارے ذاتی اختلافات ہمارے لیے اس قدر اہمیت اختیار کر چکے ہیں کہ ہم اہم ملی، ملکی، مسلکی ذمہ داریوں کے بارے میں لاعلم ہیں۔ ہم اپنی اپنی تنظیموں کو مضبوط کرنے کے چکر میں دوسرے اپنے ہی ہم مسلک رہنماؤں کے خلاف اتنی سازشیں کر جاتے ہیں جس کا ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا، خیال ہی نہیں ہوتا بلکہ سیاسی چکر میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ اپنی مذہبی ذمہ داریوں کو بھی سیاسی رنگ دے دیا گیا ہے۔

ورنہ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ شیعہ آبادی کا کل پندرہ فیصد کی اگر الگ اسلامیات پورے ملک میں رائج ہو سکتی ہے تو کل آبادی ۶۵ فیصد کی مرضی کا نصاب اور سلیبس کیوں نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے اگر کوشش کرے کوئی احتجاج کرے، کوئی جاگے تو پھر، دراصل حکومتیں اور یونیورسٹیاں اور بورڈ تو اس بات کا انتظار کرتی ہیں کہ جو ہم سے کوئی مطالبہ کرے وہ ہم کریں گے۔ جن لوگوں نے اپنے اکابرین کو نصاب اور سلیبس میں شامل کرانا تھا انہوں نے کرالیا۔ ہمارے اکابرین نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کیونکہ ان کی ساری صلاحیتیں اس وقت زائل ہو جاتی ہیں جب اگر ایک کوئی اس طرف کوشش کرے تو اپنا ہی ہم

مسلک، تنظیم یا شخصیت اس کی مخالفت پر اتر آتی ہے۔ اس کا تماشا دیکھنا شروع کر دیتی ہے اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیتی ہے حالانکہ اسے اس طرح کے مذہبی معاملات میں ساتھ ملنا چاہیے، ہاتھوں کو مضبوط کرنا چاہیے قوت بن کر، مجاہد بن کر، مخلص بن کر، ذمہ دار بن کر اس کا ساتھ دینا چاہیے۔

یہی وہ بیماریاں ہیں جس کی وجہ سے ہم تقسیم در تقسیم ہو رہے ہیں۔ مسلسل غفلت و لاپرواہی مسلمانوں کو مذہب اسلام کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا رہی ہے۔ یہ کسی فردِ واحد کو نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی بیماری ہے۔ یقیناً یہ بھی ایک کارنامہ ہے میرا خیال ہے کہ اس قدر غفلت کا مظاہرہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ بذات خود نا قابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ یقیناً ہمارے ان اکابرین کا تذکرہ تو کورس اور سیلبس کا حصہ نہ بن سکا، دنیا امام احمد رضا کے کارناموں سے آگاہ تو نہ ہوسکی۔ لیکن ہماری غفلت کا یہ کارنامہ ہمیشہ کے لیے اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ تاریخ کے مستقل باب کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ہماری باہمی جنگ، نصاب، سیلبس کا حصہ بھی بنے گی یہی ہماری مذہبی تنظیموں کا، علما کا اور ہمارا نا قابل فراموش کارنامہ ہے۔ (بشکریہ ہفت روزہ "دین" ۱۱راپریل تا ۱۷راپریل ۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆☆☆

اخبارِ رضا

☆ ادارہ افکار صدر الافاضل، خانقاہ نعیمیہ، پٹیل اسٹیٹ، جوزف پٹیل روڈ، گیٹ نمبر ۷، مالونی ملاڈ (ویسٹ)، ممبئی۔ ۹۵ کے زیر اہتمام "فتاویٰ صدر الافاضل" کی ترتیب و تخریج کا کام انتہائی برق رفتاری کے ساتھ جاری ہے۔ کتاب کی ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگی۔ "فتاویٰ صدر الافاضل" کے مرتب مولانا نور محمد نعیم القادری بلرام پوری، تنظیم افکار صدر الافاضل کے بانی و جنرل سکریٹری کی حیثیت سے تمام علما و مفکرین سے عرض گذار ہیں کہ حضرت ممدوح قدس سرہٗ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ فتاوے، مضامین اگر آپ کے پاس محفوظ ہوں تو زیراکس کاپی پہلی فرصت میں ادارہ کے پتے پر روانہ فرمائیں۔ اربابِ ادارہ آپ کے مشکور ہوں گے۔

☆ المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) نے مندرجہ ذیل اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ (۱) حقوق والدین مع حقوقِ اولاد، تصنیف: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، ترتیب و ترجمہ: علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری، قیمت: -/16 (۲) ائمہ اربعہ (چاروں ائمہ مجتہدین کا مختصر تذکرہ) از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، قیمت: -/20 (۳) باغی ہندوستان، (آزادئ ہند کا مستند ترین تذکرہ) از: علامہ فضلِ حق خیر آبادی، قیمت: -/120 (۴) امتیاز حق، (علامہ فضلِ حق خیر آبادی اور اسماعیل دہلوی کا سیاسی کردار، ایک تقابلی جائزہ۔ قیمت: -/60 (۵) شادی اور آداب زندگی، از: علامہ محمد احمد مصباحی، قیمت: -/12 (۶) اسلام اور خمینی مذہب، از: علامہ بدر القادری، قیمت: -/120 (۷) اُجالا (مختصر سوانح اعلیٰ حضرت) از: پروفیسر مسعود احمد، قیمت: -/15 (۸) نور و نار، (تقویۃ الایمان کا ایک تنقیدی جائزہ) از: پروفیسر مسعود احمد، قیمت: -/30 (۹) فضائلِ نماز، از: علامہ عبدالمبین نعمانی قادری، قیمت: -/12 (۱۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، قیمت: -/10

عیسائیوں کی بائبل ایک مہلک وائرس ؟؟؟

تحریر و تحقیق: خورشید احمد سعیدی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

E-mail: khursheedsaeedi@hotmail.com

[اس وقت مختلف عیسائی فرقوں کے پاس اپنی اپنی بائبل ہے جو دوسروں کی بائبل سے کافی مختلف ہے۔ بعض فرقے اپنی بائبل کو کلام خدا مانتے اور دوسروں کی بائبل پر بڑے عجیب انداز سے حملے بھی کرتے ہیں۔ اسی سلسلے میں راقم کو ایک چھوٹا سا کتابچہ ہاتھ لگا جو پیش نظر موضوع کی بنیاد ہے۔ اسے ایک عیسائی نے مخالف عیسائی فرقے کی بائبل پر تبصرہ بعنوان "Two Deadly Viruses: H.I.V. & N.I.V." لکھا ہے۔ [1] ہم اپنے قارئین کی معلومات، ضیافتِ طبع اور افادے کے لیے اس کا ترجمہ اور پھر آخر میں اپنا تبصرہ پیش کر رہے ہیں۔]

وائرس کیا ہوتا ہے؟

وائرس ایک چھوٹا سا جرثومہ ہوتا ہے جو ایک جاندار کے صحت مند خلیے پر قابو پالیتا ہے اور اسے وائرس زدہ مزید خلیے بنانے کے اہل بنا دیتا ہے۔ یہ افزائش جاری رہتی ہے اور اس وقت رکتی ہے جب جسم کا دفاعی نظام (immune system) اسے پہچان کر اپنی کارروائی سے اسے ختم کر دیتا ہے یا جب وہ وائرس جیت جاتا ہے یعنی جاندار کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

H.I.V. وائرس

H.I.V. نے انسانی جسم پر حملے کیے ہیں۔ یہ Human Immuno-deficiency Virus کا مخفف ہے۔ یہ وہ خطرناک وائرس ہے جو ایڈز (Acquired Immune Deficiency Syndrome) کا سبب بنتا ہے جس کے لیے ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا۔ [2]

N.I.V. وائرس

N.I.V. نے دنیائے عیسائیت پر حملہ کیا ہے۔ یہ انٹرنیشنل بائبل سوسائٹی کا حق کتابت و اشاعت محفوظ پر مبنی کام ہے۔ یہ بائبل کے New International Version کا مخفف ہے۔ یہ خطرناک وائرس بھی عیسائیت میں روحانی ایڈز (Accepted Immune Deficiency of Saints) کا سبب بن چکا ہے۔ شکر ہے کہ اس کا علاج موجود ہے۔

H.I.V. وائرس کا جسم میں داخلہ

یہ وائرس دو بڑے طریقوں سے انسانی جسم میں داخل ہوتا ہے۔ ۸۵٪ تک یہ زنا کاری اور اغلام بازی یعنی لواطت کے ذریعے انسانی جسم پر حملہ آور ہوتا ہے جبکہ ۱۵٪ تک یہ خون کے ذریعے بالخصوص مشترک سوئیوں کے ذریعے نشہ استعمال کرنے سے یہ انسانی جسم میں داخل ہوتا ہے۔[۳] ایچ آئی وی (H.I.V.) خود جسم کو قتل نہیں کرتا۔ یہ صرف اس کے دفاعی نظام کو تباہ کر دیتا ہے۔[۴] اس طرح انسانی جسم دوسری بیماریوں کا بھی نشانہ بن جاتا ہے جنھیں ایڈز سنڈروم کہتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ لوگ جو لذت کو نیکی اور پرہیزگاری پر ترجیح دیتے ہیں وہی عموماً اس وائرس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

N.I.V. وائرس کا جسم میں داخلہ

یہ وائرس بھی دو مقامات کو اپنا شکار بنانے کے لیے حملہ کرتا ہے۔ ایک ہے خون اور دوسرا ہے بے راہ رَوی۔ نیو انٹرنیشنل ورژن (NIV) نامی بائبل خود تو مقامی عیسائیت کو قتل نہیں کرتی۔ یہ صرف اس کے دفاعی نظام کو تباہ کر دیتی ہے جو گناہ کے خلاف نبرد آزما ہے۔ اس طرح عیسائی لوگ دوسرے گناہوں کا شکار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کے زیر اثر آنے والے عیسائی فرقے زیادہ تر روحانی ایڈز کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری پر لذت کو مقدم کرتے ہیں۔

H.I.V. وائرس کا حملہ

انسانی جسم کے دفاعی نظام کے دو بنیادی حصے ہیں یعنی ٹی اور بی نامی خلیے۔ ٹی نامی خلیے دفاعی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں اور اسے باقاعدہ بناتے ہیں۔ یہ جسم میں کسی خرابی کی شناخت کرتے اور بی نامی خلیوں کو اس کی اطلاع دے کر اس خرابی کو دور کرنے کے لیے مدافعاتی اشیاء بنانے میں ان کی مدد بھی کرتے ہیں۔ (۳) ایچ آئی وی (HIV) ٹی خلیوں پر حملہ کرتا ہے۔ اس طرح بیماری کی کوئی مناسب شناخت نہیں ہوتی اور اس کے خلاف ''حملے کی کوئی منصوبہ بندی'' بھی موجود نہیں ہے۔

N.I.V. وائرس کا حملہ

عیسائیت کا دفاعی نظام بھی دو اَساسی حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک ٹی خلیے یعنی سچائی اور دوسرا ہے بی خلیے یعنی بائبل۔ خُدا کی مُطلق، غیر مُتبدّل اور مکمل طور پر خالص سچائی کے بغیر بائبل اساسی عیسائیت پر کسی حملے کے توڑ کے لیے بے بس ہو جاتی ہے۔ ایچ آئی وی ٹی خلیوں کو تبدیل کر دیتا ہے اور یہی چیز اسے بہت خطرناک اور مہلک بنا دیتی ہے۔ این آئی وی یعنی نیو انٹرنیشنل بائبل نے بھی ٹی خلیوں یعنی سچائی پر حملہ کیا ہے اور اس کی اسی خاصیت نے اسے خطرناک اور مُہلک بنا دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نیو انٹرنیشنل بائبل کے

پیروکار اس حقیقت کو سمجھ نہیں رہے کہ سچائی کبھی نہیں بدل سکتی۔ اگر یہ بدل جائے تو یہ سچائی نہیں ہوتی۔ آپ سچائی کو کبھی نیا یا بہتر نہیں بنا سکتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ ابتداً سچائی ہی نہیں ہوتی۔

این آئی وی: خون کے ایک قطرے کا حذف

کُلسّیوں ۱:۱۴ میں بائبل کہتی ہے:

"In whom we have redemption through his blood, even the forgiveness of sins"

یعنی 'جس میں ہم کو اس کے خون کے وسیلے سے مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہے۔' ۵ جبکہ این آئی وی نامی بائبل کی عبارت یوں ہے: "in whom we have redemption, the forgiveness of sins." یعنی 'جس میں ہم کو مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہے'۔ این آئی وی نے کیا حذف کیا ہے؟ یہ 'through his blood' 'یعنی' اس کے خون کے وسیلے سے' کے الفاظ کو حذف کرتی ہے۔ گناہ کا واحد علاج خداوند مسیح کا خالص، پاک اور بے گناہ خون ہے۔ اگر آپ خون کو بائبل سے نکال دیں تو اس میں صرف گناہ ہی رہ جاتا ہے جو ایک شخص کو بالآخر دائمی طور پر تباہ کر دیتا ہے۔ بائبل کہتی ہے: ''بغیر خون بہائے مُعافی نہیں ہوتی''۔ (عبرانیوں ۹:۲۲) این آئی وی یعنی نیو انٹرنیشنل ورژن نامی بائبل کے پیروکار کہتے ہیں: ''اس بائبل کو بنانے والوں نے خون کو صرف ایک مقام پر حذف کیا ہے اس لیے انہیں نظر انداز کر دیں۔ ہم ان کے ترجمے کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور یہی سب سے اہم چیز ہے۔''

ایچ آئی وی اور خون کا ایک قطرہ

کیا آپ کو علم ہے کہ ایچ آئی وی خون کے صرف ایک قطرے سے شروع ہو سکتا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کو اپنے جسم کے لیے خون کی ضرورت ہو اور آپ کو بتایا جائے کہ سارا خون خالص ہے سوائے ایک قطرے کے جس میں ایچ آئی وی ہے۔ کیا آپ اس خون کا اِنتقال اپنے جسم میں پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ ایچ آئی وی والے خون کے صِرف ایک قطرے سے آپ کئی بیماریوں کا شکار ہو جائیں گے۔ تو پھر آپ کیوں ایسی بائبل پسند کرتے ہیں جو لفظ خون کو صِرف ایک جگہ حذف کرتی ہے؟ کیا آپ کو علم ہے کہ صِرف ایک جگہ سے لفظ خون کو حذف کرنا بھی سچائی کو بدل دیتا ہے؟ ایک بار جب آپ اس جھوٹ کو قبول کر لیتے ہیں کہ سچائی تبدیل ہو سکتی ہے تو مسیح کا جسم یعنی عیسائیت گناہوں کے طوفان کی آماجگاہ بن جاتی ہے۔ شیطان اپنے قدیم جھوٹ کو اب بھی استعمال کر رہا ہے کہ ''کیا واقعی خدا نے کہا ہے...'' (پیدائش ۳:۱) اور اس جھوٹ کے اثرات نظر بھی آرہے ہیں۔

ایچ آئی وی اور سوچ و فکر

جب کسی کو ایڈز کا مرض لگ جاتا ہے تو ہمیشہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ یہ شخص لوطی ہے کیونکہ وہ ان

لوگوں میں شامل ہوتا ہے جن میں پہلی بار یہ مرض تشخیص کیا گیا تھا۔ اور یہ انہیں لوگوں کی بھاری تعداد میں شامل رہتا ہے جو اس مرض میں مبتلا ہیں۔ دُکھ کی بات یہ ہے کہ ایک معصوم شخص جو ایسی بُری حرکت سے گھِن کھاتا ہے وہ بھی انہیں کی خطرناک وبا کا شکار ہوسکتا ہے اور بدنام ہوسکتا ہے۔

این آئی وی اور سوچ وفکر

این آئی وی بائبل خدا کی سچائیوں میں سے ایک اور لفظ حذف کرتی ہے۔ [کنگ جیمز] بائبل کے مطابق متی ۱:۲۵ کی عبارت یوں ہے: "And knew her not till she had brought forth her firstborn son: and he called his name Jesus." جبکہ این آئی وی کے مطابق اس ورس کے الفاظ یوں ہیں: "But he had no union with her until she gave birth to a son. And he gave him the name Jesus." این آئی وی بائبل نے کس چیز کو خارج کیا ہے؟ اس نے حذف کیا ہے کہ عیسیٰ [علیہ السلام] مریم [علیہا السلام] کے ' her firstborn ' پہلوٹھے بیٹے تھے۔ اس طرح یہ اس بات کی توثیق کرنے میں ناکام رہتی ہے کہ مریم [علیہا السلام] بلاشبہ بالکل کنواری اور دوشیزہ تھیں جیسا کہ نبی نے کہا تھا کہ وہ ایسی ہوگی۔ یہ اس سوچ وفکر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ بھی آج کی لاتعداد لڑکیوں جیسی تھیں جو شادی سے پہلے بچوں کو جنم دے دیتی ہیں۔ اس طرح شادی شدہ ہوجانے کے بعد اُن کا پہلا بچہ درحقیقت پہلوٹھا نہیں ہوتا۔ این آئی وی اس حقیقت کی توثیق کرنے میں ناکام رہتی ہے جس کی تصدیق خدا کے کلام نے کی ہے۔ لوگوں کی پوری زندگیاں زنا یا بدکاری کی اِس سوچ کے سبب تباہ ہوسکتی ہیں۔

ایچ آئی وی کا انجام: نااُمیدی

اس مضمون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایچ آئی وی وائرس ایڈز نامی جس مرض کی طرف لے جاتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں اور اس سے نجات کی کوئی امید نہیں۔

این آئی وی کا انجام: نااُمیدی

مغرب کے وسط میں ایک بنیاد پرست بائبل کالج میں چیئرمین آف دی بائبل ڈیپارٹمنٹ نے حال ہی میں تسلیم کیا ہے کہ اسے سَو فیصد یقین نہیں ہے کہ مرنے کے بعد وہ جنت میں جائے گا۔ کیوں؟ کیونکہ اس کا ایمان یہ ہے کہ خدا کی سچائی تغیر پذیر ہے یعنی اب کسی شخص کے پاس خدا کی خالص سچائی نہیں ہے اسے لاتعداد نسخوں میں تلاش کیا جانا چاہیے۔ میرے دوست اگر آپ کو سَو فیصد یقین نہیں کہ وہ بائبل جسے آپ نے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا ہوا ہے وہ خدا کا سَو فیصد سچا کلام نہیں ہے تو پھر آپ کو سَو فیصد یقین

نہیں ہوسکتا کہ آپ جنت جا رہے ہیں۔ "پس ایمان سُننے سے پیدا ہوتا ہے اور سُنناخُدا کے کلام سے" (رومیوں ۱۰:۱۷)۔ ۲۔ ایمان تو بائبل سے پیدا ہوتا ہے لیکن اگر تمہیں اپنی بائبل کی صداقت کا سَو فیصد یقین نہیں ہے تو آپ اپنے ایمان کے صحیح ہونے کے بارے میں بھی سَو فیصد یقین نہیں ہو سکتے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ایک نئی اور بہتر بائبل پائی جا سکتی ہے تو آپ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ تمہاری بائبل میں خامیاں ہیں۔ مگر خامیاں ہیں کس کس جگہ؟ تمہیں تو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں! تو پھر انہیں جانتا کون ہے؟ آپ نے اسے "ماہرین" کے سَر پر کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارا اصل میں بھروسہ کس پر ہے؟ یہ خدا نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اپنے کلام کے بارے میں فرمایا ہے: "خداوند کے الفاظ خالص الفاظ ہیں: اُس چاندی کی مانند جو مٹی کی بھٹی میں تائی گئی اور سات بار صاف کی گئی ہو۔ تُو ہی اَے خُداوند! اس پشت سے ہمیشہ تک اُنکی حفاظت کریگا۔" (زبور ۱۲:۶-۷) ۷۔ اگر تم این آئی وی کی پیروی کرتے ہو تو پھر تمہارا بھروسہ انسان پر ہے خدا پر نہیں ہے۔ تم نے خدا کے وعدے کو رد کر دیا ہے کہ وہ اپنے کلام کو خالص ترین چاندی کی مانند ہر پشت کے لیے محفوظ رکھے گا۔ تم نے "ماہرین کے کلام" کو خدا کے کلام پر ترجیح دی ہے۔ کیا تم جانتے ہو اس بارے میں خدا کیا فرماتا ہے؟ "خُداوند یوں فرماتا ہے کہ ملعون ہے وہ آدمی جو اِنسان پر توکّل کرتا ہے اور بشر کو اپنا بازُو جانتا ہے اور جس کا دِل خداوند سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔" (یرمیاہ ۱۷:۵)

علاج

تمہارا علاج یہ ہے کہ تم کھرا، آزمودہ اور خالص کلامِ خدا لے لو۔ ہزاروں میں سے صرف ایک ہی بائبل ایسی ہے جو سَو فیصد خالص کلام خدا ہونے کا دعوٰی کرتی ہے اور وہ بائبل کا کنگ جیمز ورژن ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام بائبلوں کا یہ ایمان نہیں ہے کہ سَو فیصد درست بائبل کا پایا جانا ممکن ہے۔ اس میں تمہارے اس سوال کا جواب بھی ہے کہ تمہیں کونسی بائبل زیر مطالعہ رکھنی چاہیے۔ صرف ایک گروپ کا ایمان ہے کہ خدا کے کلام کو انسان کے کلام پر فوقیت ہے۔ تم کس گروپ میں شامل ہو؟

ایچ آئی وی کی وبا

اس مرض کی وبا نے انسانی جسم کے دفاعی نظام پر سخت چوٹ لگائی ہے اور ایڈز سینڈروم اس کا نتیجہ ہے۔ سینڈروم خاص قسم کے نشانات و علامات کا ایک مجموعہ ہوتا ہے جو بیک وقت رونما ہوتے ہیں اور صحت مند جسم میں بدنظمی پھیلا دیتے ہیں۔

این آئی وی کی وبا

اس وبا نے عیسائیت کے دفاعی نظام پر ناقابل برداشت چوٹ لگائی ہے اور روحانی ایڈز اس کا

نتیجہ ہے۔ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ اس دَور میں عالمِ عیسائیت میں یہ بدنظمی کیوں ہے؟ اور عیسائی اتنے دنیا پرست کیوں ہو گئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت نے اپنے دفاعی نظام میں بخوشی خامیوں اور نقائص کا اعتراف کر لیا ہے۔ یہ اب مانتی ہے کہ اس کی سچائیاں تغیر پذیر ہیں۔ اس دَور میں عیسائیت کا سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ سند اور بھروسے کا فقدان ہے۔ یاد کرو کہ لوگ عیسیٰ [علیہ السلام] کی تعلیمات سے کیوں ورطۂ حیرت میں پڑے ہوئے تھے؟ ''اور ایسا ہوا کہ جب یسوع نے یہ باتیں ختم کیں تو لوگ اُسکی تعلیم سے حیران ہوئے کیونکہ وہ اُن کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اِختیار کی طرح اُنکو تعلیم دیتا تھا۔'' (متی ۷: ۲۸-۲۹) فقیہوں اور عیسیٰ [علیہ السلام] کی تعلیمات میں کیا فرق تھا؟ وہ ہمیشہ ایک انسان کا حوالہ دیتے تھے جبکہ عیسیٰ [علیہ السلام] دائماً یہ فرماتے تھے: ''یوں لکھا ہے...''، یا یہ فرماتے: ''کیا تم نے پڑھا نہیں ہے...؟'' یاد رکھو عیسیٰ [علیہ السلام] اصل نسخوں کا حوالہ نہیں دیا کرتے تھے بلکہ آپ اصل کی مستند اور اَصح نقول سے حوالہ دیتے تھے۔ این آئی وی کے پیروکاروں کا دھوکہ میں ڈالنے والا ایک کثیر الاستعمال بیان یہ ہے: ''صرف اصل نسخے خدا کی طرف سے الہامی تھے لیکن تم آج بائبل کی صحت کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے کیونکہ ناقص انسانوں نے بار بار اس کی کتابت کی ہے اور نقول بنائی ہیں''۔ میرے دوست کیا تم جانتے ہو کہ یہ استدلال کتنا احمقانہ ہے؟ اچھا یہ بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا ہے کہ بائبل خدا کے الہام سے وجود میں آئی ہے؟ اس سلسلے میں تمہارے ایمان کی بنیاد خدا کا کلام ہے: ''ہر ایک صحیفہ خدا کے اِلہام سے ہے...'' (۲۔ تیمُتھیُس ۳:۱۶)۔ یہ دُرست ہے۔ اس طرح تم بذریعہ ایمان یہ قبول کرنے پر رضامند ہو کہ بائبل جب دی گئی تھی تو یہ اس وقت کامل اور بے عیب تھی۔ اب یہ بتاؤ کہ خدا نے بائبل کو لکھوایا کیسے؟ اس نے یہ کام انسانوں سے کروایا۔ ''... خدا کے پاک بندے روح القدس کی تحریک سے بولتے تھے۔'' (۲۔ پطرس ۱:۲۱) کیا وہ کامل انسان تھے؟ نہیں، کیونکہ خود بائبل کہتی ہے: ''کیونکہ زمین پر کوئی اَیسا راست باز انسان نہیں کہ نیکی ہی کرے اور خطا نہ کرے''۔ (واعظ ۷:۲۰) ٹھیک، یعنی خدا نے اپنا کامل کلام لکھوانے کے لیے ناقص انسانوں کو استعمال کیا، کیا یہ درست ہے؟ بالکل درست۔ اس اعتقاد کے لیے تمہاری بنیاد ہر اس بات کو مان لینا ہے جو خود بائبل کہے، کیا یہ درست ہے؟ بالکل درست۔ اب ذرا غور سے سنو بائبل اپنی حفاظت اور صحت کے بارے میں خود کیا کہتی ہے: ''خداوند کے الفاظ خالص الفاظ ہیں: اُس چاندی کی مانند جو مٹی کی بھٹی میں تائی گئی اور سات بار صاف کی گئی ہو۔ تُو ہی اَے خُداوند! اِس پشت سے ہمیشہ تک اُنکی حفاظت کریگا'' (زبور ۱۲:۶-۷) خدا فرماتا ہے کہ جو کچھ اس نے الہام کیا ہے اسے خالص رکھنے کے لیے خود حفاظت کرے گا۔ اگر تم کہتے ہو کہ تم بذریعہ ایمان یہ قبول کرتے ہو کہ خدا نے اپنا کامل کلام ناقص انسانوں کے وسیلے سے دیا ہے کیونکہ یہ وہ بات ہے جو بائبل کہہ رہی ہے؛ مگر اس کے بعد اگر تم اس بات کا

انکار کرتے ہو کہ آج ہمارے پاس خدا کا کامل کلام محفوظ نہیں ہے تو تمہارا مسئلہ بے ایمانی ہے۔ تم انسانوں کی بات کو خدا کے کلام پر فوقیت دیتے ہو۔" ...جو کچھ اعتقاد سے نہیں وہ گناہ ہے"۔ (رومیوں ۱۴:۲۳)

مترجم کا تبصرہ:

عیسائی کاتب کی بات تو چند مثالوں پر ختم ہو جاتی ہے۔ راقم الحروف کو بھی ایک بار انہی دو بائبلوں کا باہمی موازنہ کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس موازنے کا خلاصہ جاننے سے پہلے بائبل پر چھڑی جنگ کے بارے میں عیسائی علما کے چند اعلانات ملاحظہ فرمالیں۔ ایک عیسائی عالم نے اعلان کیا ہے:

"The 21st century is the scene where the battle will be fought between the King James Bible and the hundred new "perversions". (8)

اکیسویں صدی وہ منظر ہے جہاں کنگ جیمز بائبل اور دوسری سینکڑوں جدید گمراہیوں کے درمیان جنگ لڑی جائے گی۔

اس کی مخالفت میں کنگ جیمز ورژن نامی بائبل کی خرابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک اور عیسائی عالم لکھتا ہے:

"The KJV people ask, Why do the modern versions leave verses and words out? I think they have the question reversed. It should be, "Why does the KJV insert so many words and verses?" (9)

کنگ جیمز والے عیسائی سوال کرتے ہیں کہ جدید بائبلیں کیوں ورسوں اور الفاظ کو خارج کر دیتی ہیں؟ میں سمجھتا ہوں انہوں نے سوال کو الٹ کر دیا ہے۔ اسے یوں ہونا چاہیے کہ کنگ جیمز بائبل نے اتنی زیادہ ورسیں اور الفاظ کیوں بڑھائے ہیں؟

راقم الحروف کے موازنے کا خلاصہ: (☆)

کنگ ورژن اور نیو انٹرنیشنل ورژن کے سرسری موازنے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں انگریزی بائبلیں اپنے عہد نامہ قدیم کی تقریباً تین سو ورسوں میں خدا کے نام اور صفات میں مختلف ہیں۔ ان کے علاوہ پچیس سے زائد ورسوں میں اختلافات کا موضوع خدا کے افعال ہیں۔ مزید برآں تقریباً تیرہ ورسوں کا یا تو ایک بائبل اضافہ کرتی ہے یا دوسری حذف کرتی ہے۔ ان ورسوں کا موضوع خدا کے انسان کے ساتھ تعلقات ہیں۔

یہ تو بات تھی عہد نامہ قدیم کے بارے میں۔ عہد نامہ جدید کے متعلق نتائج کا خلاصہ یوں ہے۔ یہ دونوں بائبلیں خدا کے نام سے متعلق تقریباً ایک سو ورسوں میں اختلاف کرتی ہیں۔ مزید یہ کہ دس بہت اہم ورسوں میں افعال الٰہی میں تبدیلی کی گئی ہے۔ خدا کے نام، اس کی صفات اور افعال سے متعلق پندرہ ورسوں

میں حذف و اضافہ کیا گیا ہے۔

جہاں تک مردوں، عورتوں، ان کے باہمی تعلقات اور قبائلی اسما کا تعلق ہے تو عہد نامہ قدیم و جدید دونوں میں یہ بائبلیں تقریباً آٹھ سو درسوں میں شدید اختلافات کا شکار ہیں۔

جانوروں، ملکوں، شہروں، دریاؤں اور جگہوں سے متعلق موازنہ یہ بتاتا ہے کہ ان بائبلوں کے عہد نامہ قدیم و جدید میں تقریباً چھ سو درسوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور اس کا سبب تحریف لفظی ہے۔

بائبل میں بہت سی درسیں ایسی ہیں جن میں ناپ، تول، پیائش اور اوزان کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے کئی نظاموں کا ذکر ملتا ہے اور ان کا تعلق لوگوں کی عمر، جانوروں، دو یا زیادہ جگہوں کے درمیان فاصلے، بچوں کی تعداد، آبادی، فوج، دنوں، سالوں وغیرہ سے ہے۔ اس سلسلے میں تقریباً پچاس درسوں میں یہ دونوں بائبلیں باہم اختلاف کرتی ہیں۔ بعض متفرق موضوعات کے سلسلے میں یہ بائبلیں تقریباً ایک سو پندرہ درسوں میں واضح اختلاف کرتی ہیں۔

جہاں تک عیسائیت کے بنیادی عقائد مثلاً نجات، عبادت و دعا، روزے، دوزخ، معافی، تثلیث وغیرہ کا تعلق ہے، تو ان سے متعلقہ پندرہ سے زائد درسیں کنگ جیمز ورژن میں تو پائی جاتی ہیں مگر نیو انٹر نیشنل ورژن بائبل میں نہیں ملتی ہیں۔

اسی سلسلے میں قرآن مجید فرماتا ہے کہ اہل کتاب نے کبھی تو ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدلا، کبھی الفاظ کے ایک مجموعے کو الفاظ کے دوسرے مجموعہ، کبھی ایک جملے کو دوسرے جملہ اور کبھی لمبی عبارت کو ایک بالکل مختلف لمبی عبارت سے بدل دیا۔ [۱۰]

اس موازنے کے دوران درسوں کے حذف و اضافے کے علاوہ ایک اور بات بھی سامنے آئی۔ اور وہ یہ کہ درسوں کی ایک بھاری تعداد بریکٹ زدہ ہے۔ اعداد و شمار سے واضح ہوا کہ تقریباً نوے درسیں کنگ جیمز بائبل میں بریکٹ زدہ ہیں لیکن نیو انٹرنیشنل بائبل میں نہیں۔ دو سو پچیس درسیں نیو انٹرنیشنل بائبل میں بریکٹ زدہ ہیں لیکن کنگ جیمز بائبل میں ان کے گرد بریکٹ نہیں۔ انتالیس درسیں ایسی ہیں جو دونوں بائبلوں میں بریکٹ زدہ ہیں۔ عیسائی علما ایسی درسوں کے مستند ہونے کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ [۱۱] قرآن مجید بڑے کھلے لفظوں میں عیسائی علما کی اس حالت کو بیان فرماتا ہے۔ [۱۲]

اس موازنہ سے اور نیو انٹرنیشنل ورژن نامی بائبل کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے پاس کوئی مستند اور متفق متن نہیں ہے اور وہ مسلسل اس کی تلاش میں ہیں۔ جب بھی انہیں کوئی پرانا مسودہ ملتا ہے اس کی بعض عبارتوں کو حسب منشا سابق متن کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے بیسویں صدی کے وسط میں بحر مردار سے ملنے والے مخطوطوں کی دریافت کے بعد کیا۔ قرآن کی پہلی سورت کی آخری آیت

مبارکہ میں ان کی گمراہی کی طرف واضح طور پر بتا دیا گیا ہے۔ قرآن کی اور بھی کئی آیات میں ان کے عدم اطمینان کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے۔ [۱۳]

حواشی

[۱] شائع کردہ: Liberty Gospel Tracts, 11845 M-57, Greenville MI 48838, USA۔

[۲] *Aids, Facts You Should Know*, Continental Lab Service.

[۳] *Understanding Aids*, by Victor Gong, M.D., Rutgers University Press, 1985.

[۴] *How To Keep From Getting Aids*, The Economics Press, Inc., 1987

[۵] یاد رہے کہ یہ انگریزی عبارت کنگ جیمز بائبل کے مطابق ہے۔ اردو بائبلوں یعنی کتاب مقدس اور کلام مقدس کی عبارتوں میں ''خون کے وسیلے سے'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

[۶] یہ ترجمہ کنگ جیمز بائبل کے مطابق ہے۔ بہت سی انگریزی بائبلوں نے اس ورس میں word of God کی بجائے word of Christ لکھا ہے۔ اُردو بائبلوں میں سے کتاب مقدس نے اس جگہ 'مسیح کا کلام' جبکہ کلام مقدس نے 'مسیح کا پیغام' لکھ کر اپنے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔

[۷] یہ ترجمہ کنگ جیمز بائبل، نیو امریکن سٹینڈرڈ بائبل اور کسی حد تک اردو بائبل کتاب مقدس کے مطابق ہے۔ بہت سی انگریزی بائبلیں مثلاً نیو انٹرنیشنل ورژن، نیو امریکن بائبل، کیتھولک ریری ورژن وغیرہ اس عبارت سے بہت اختلاف کرتی ہیں۔ مثلاً کیتھولک عیسائیوں کی اُردو بائبل کلامِ مقدس کی عبارت یوں ہے: ''اَقوالِ خُداوند اَقوالِ مُخلِصانہ ہیں۔ تائی ہوئی چاندی کی مانند خارجی مادہ سے مُبرّا اور ہفت چند مُصفّا ہیں۔ تُو اَے خُداوند ہماری حِفاظت کرے گا۔ اس پُشت سے ہمیشہ ہمیں بچائے رکھے گا۔''

8. Jack Sin, *Reformation: Retrospect, Introspect and Prospect*, op. cit., p. iii (Foreword)

9. Joyner, R. A., *King James Only? A Guide To Bible Translations*, op. cit., p. 62

(☆) یہ خلاصہ بغیر حوالوں کے اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ ایک مستقل بحث ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ کسی وقت پیش کر دی جائے گی۔

[۱۰] دیکھیے: سورۃ البقرۃ: ۵۹، ۷۵، ۲۱۱؛ سورۃ النساء: ۴۶؛ سورۃ المائدۃ: ۱۳، ۱۴؛ سورۃ الاعراف: ۱۶۲

[۱۱] بریکٹوں کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے ہمارا مقالہ ملاحظہ فرمائیے۔ (سہ ماہی 'افکار رضا' ممبئی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۴ء، ص 104-82)

[۱۲] مثلاً دیکھیے: سورۃ فصلت: ۴۵ [۱۳] مثلاً دیکھیے: سورۃ الانعام: ۹۱

رضا نامے

☆ **سید فرقان علی رضوی، گدی نشین، خانقاہِ رضویہ، درگاہ شریف، اجمیر شریف**

محبِ اہلِ سنت عاشقانِ خواجہ و برادرانِ طریقت کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ماہِ رجب کا مہینہ دنیائے اسلام میں ایک پیغامِ رحمت ہے۔ اس ماہ کی ۲۷ر تاریخ کو حضور رحمتِ عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کی نعمت عطا فرمائی۔ اسی ماہ کی دیگر فضیلتوں کے علاوہ خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مبارک منعقد ہوتا ہے۔ اس عرس کے موقع پر دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں تشنگانِ خواجہ آکر اپنی خالی جھولیوں کو گوہرِ مقصود سے بھر کر جاتے ہیں۔ عرس کے موقع پر جنتی دروازہ بھی ۶ یوم کھلا رہتا ہے۔

دیتا ہے ہر مراد خدا اُن کے نام سے ☆ ہر درد کی ملی ہے دوا ان کے نام سے

امسال عرس مبارک یکم تا نو رجب المرجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۷ر تا ۱۵ر اگست ۲۰۰۵ء تک منعقد ہونگے۔ یاد رہے یہ وہ خانقاہِ رضویہ ہے جہاں سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ قیام فرما کر سید صاحب کی دکالت سے حاضرِ آستانہ ہوتے تھے۔ اور آج بھی اکابرین علما کرام و خانوادۂ رضا بھی مندرجہ ذیل پتہ پر ہی قیام فرماتے ہیں۔ ۶ر رجب کی قل شریف کی تقریبات جانشین حضور مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خانصاحب ازہری دامت برکات عالیہ کی معیت میں بمقام خانقاہِ رضویہ، اجمیر شریف میں منعقد ہوتی ہے۔

☆ **پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی، پاکستان**

مجلہ ''افکارِ رضا'' برابر مل رہا ہے۔ عنایت و کرم کا ممنون ہوں۔ جو نیک کام پابندی سے مسلسل کیا جائے اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول و محبوب ہوتا ہے۔ الحمد للہ سہ ماہی ''افکارِ رضا'' پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ اس کی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل ہے۔ مضامین سنجیدہ، باوقار، علمی و تحقیقی، کمپوزنگ، کاغذ و طباعت بہتر سے بہتر، سادگی کے ساتھ ساتھ ظاہر و باطن حسین و جمیل، مسلکِ اہل سنت کا محافظ، خودنمائی اور اہل سنت کی باہمی رنجشوں سے دور، صحافتی آداب و اخلاقیات سے باخبر۔ فقیر کی دعا ہے کہ مجلہ ''افکار رضا'' ہر طبقہ، فکر میں مقبول ہو اور تنگ نظروں کو وسعتِ نظر عطا کرتا رہے۔ آمین

○ **غیاث الدین احمد عارف مصباحی نظامی (نیپالی)، مدرسہ عربیہ سعید العلوم، ضلع مہراج گنج (یوپی)**

جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء کا رسالہ موصول ہوا۔ بے حد خوشی ہوئی۔ ورق الٹا تو منقبتِ امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر نظر پڑی۔ شاعری سے شغف رکھنے کے ناطے علی الفور اس کا مطالعہ کیا۔ دوہری خوشی حاصل

ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے افکار رضا میں منظومات کو بھی جگہ دینا شروع کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ حاتی صاحب نے بحر متدارک پر اچھے اور آسان اشعار کہے ہیں۔ (ہاں اگر موصوف دوسرے مصرع میں دنیائے علم کی جگہ عالمِ علم کہتے تو خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا) ایک چیز فہم سے بالاتر رہی وہ یہ کہ رسالہ کے سرورق اور ہر اوپری ورق پر جنوری تا مارچ ۲۰۰۵ء رقم ہے جبکہ پورے شمارہ کے نچلے ورق پر اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء لکھا ہوا ہے۔ ایسی بھی کیا عجلت؟ جملہ مضامین قابلِ تعریف اور لائق ستائش ہیں۔ سر گزشت حیاتِ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے علامہ نعمانی صاحب کے آراء قابلِ عمل ہیں۔ نیز موصوف کی امام احمد رضا پر مزید کام کرنے کی نشان زدہ راہیں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

ایک ضروری بات یہ عرض کر دوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ آپ افکار رضا کے شمارے میرے نام ضرور ارسال کرتے ہوں گے مگر رسالہ کیوں نہیں پہنچتا؟ کہاں جاتا ہے؟ (جبکہ گاؤں میں دیگر مراسلات و خطوط آتے رہتے ہیں) میں نے بارہا سمجھنے کی کوشش کی ڈاک گھر سے رابطہ کیا مگر وہاں سے کچھ معلوم نہ ہوا۔ ایک بار وجہ خود بخود واضح ہوگئی وہ یوں کہ ایک غیر مقلد مبارک حسین نامی مولوی کا رسالہ ''نوائے اسلام'' میرے گھر آدھمکا مجھے شک ہوا تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ میرے نام کے تین رسالے دو عدد ''افکار رضا'' اور ایک عدد ''اسلامی آواز'' مذکورہ مولوی کے گھر جلوہ افروز ہو چکے ہیں۔ مجھے جہاں نظامِ ڈاک پر حیرت ہوئی وہیں مسرت بھی کہ چلو کسی بہانے پیغامِ رضا اُس غیر مقلد تک پہنچا تو ع شاید کہ اتر جائے اُس کے دل میں کوئی بات۔ فی الحال میں نے اپنے گھر یعنی نیپال بارڈر بھیرہوا سے ۲۵ رکلومیٹر جنوب انڈیا کے مدرسہ عربیہ سعید العلوم یکما، ڈپو، لکشمی پور، ضلع مہراج گنج، یوپی میں مستقل ملازمت کر لی ہے اور ڈاک خانہ کی لاپرواہیوں کے سبب اپنے رسالے مدرسہ مذکور کے پتہ پر جاری کرالیا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ بھی افکار رضا کو اسی پتہ پر ارسال فرمایا کریں۔ عین نوازش ہوگی۔

ہمارا، ملک نیپال میں بہت کچھ کرنے کا عزم تھا اور ہے بھی۔ ہم نے اپنے مستحکم ارادے کو عمل میں لانے کی کئی کوششیں کیں لیکن ماؤوادی فتنوں نے ہمارے خواب کو چکنا چور کر دیا۔ نتیجتاً ہمیں فی الحال اپنی کوششیں محدود کر دینی پڑیں۔ گذشتہ دو سالوں میں ہم نے ضلع روپندیہی کے مختلف مواضعات میں سنی دعوت اسلامی کے درجن بھر اصلاحی علاقائی پروگرامز کرائے تھے۔ اسی ضمن میں ایک بار علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری صاحب کو بھیرہوا کی جامع مسجد میں خطاب کے لیے مدعو کیا گیا تھا اور موصوف حافظ جان محمد مبلغ سنی دعوت اسلامی علاقہ پرتاول، مہراج گنج کے توسط سے تشریف بھی لائے تھے مگر پروگرام ماؤوادی خطروں کے نذر رہا۔ پروگرام ہوا مگر زیادہ لوگ شامل نہ ہوسکے۔ پھر ہم پر شک کی سوئی گردش کرنے لگی مصلحتاً ہم نے کچھ ایام کے لیے اس سلسلے کو روکنے میں عافیت سمجھی۔ یکم فروری ۲۰۰۵ء کو راجہ گیانندر کے

جمہوریت کا گلہ گھونٹنے کے بعد سے ایک لاکھ سینتالیس ہزار ایک سو اکیاسی کلومیٹر رقبے والا ملک نیپال دہشت کی آگ میں اور زیادہ جلنے لگا۔ گذشتہ مہینوں عراق میں گیارہ نیپالیوں کے قتل کے بعد مسلمان یہاں پر پوری طرح مشکوک ہوگئے۔ جس کی ایک واضح مثال ہم یہ دے سکتے ہیں کہ موجودہ راجہ گیانندر نے گذشتہ ادوار کی طرح برائے نام بھی کسی مسلم کو وزارت کا عہدہ نہیں دیا۔ طرفہ یہ کہ مذکورہ راجہ کے تعلقات آر. ایس. ایس اور وی. ایچ. پی کے لیڈران سے استوار ہونے کا ثبوت فراہم ہو رہا ہے۔ ان حالات میں یہاں بسنے والے سوا دو کروڑ لوگوں میں صرف گیارہ بارہ لاکھ مسلمان اگر بے سوچے سمجھے کچھ کرگذریں تو کیا کچھ ہو جائے کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ (جیسا کہ عراق میں نیپالیوں کے دردناک قتل کے بعد نیپال کی کئی مساجد و مدارس کو دہشت کا نشانہ بنایا گیا)۔ اس کے باوجود موقع ملتے ہی ہم اپنے ارادوں کو عمل میں لانے کی کوشش میں ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں بہت کچھ کرنا ہے اگرچہ فی الحال ماؤوادی فتنے کے خوف سے ہماری تبلیغ پر اچھا خاصا اثر پڑا ہے لیکن ہم رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہیں اور جیسے ہی ہمیں سکون و اطمینان کا دور ملتا ہے ہم تبلیغ دین کا کام آگے بڑھاتے رہیں گے۔ بس آپ جیسے مخلص اور دین سے محبت رکھنے والوں کی دعائیں مطلوب ہیں۔

افکار رضا کے لیے ایک تازہ نعت پاک پیش خدمت ہے کسی قریبی شمارہ میں شائع کردیں۔ ایک بار پھر واضح کردوں کہ رسالہ اس پتہ پر ارسال کیا کریں۔ کرم ہوگا۔ فقط والسلام

☆......☆......☆......☆

خبریں: ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ''مکاتیب امام احمد رضا'' شائع ہوگیا ہے۔

علامہ محمد شفیع اوکاڑوی کی اہلیہ/ علامہ کوکب نورانی کی والدہ کی رحلت

۱۹/ اپریل ۲۰۰۵ء کو طویل علالت کے بعد علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی والدہ رحلت فرما گئیں۔ اس موقع سے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اہل محبت نے مرحومہ کو مختلف طرح سے ایصالِ ثواب ہدیہ کیا اور دعائیں کیں۔ مرحومہ کا چہلم ۱۸/ مئی ۲۰۰۵ء کو جامع مسجد گلزار حبیب، کراچی میں ہوا۔ اس موقع پر علامہ کوکب نورانی صاحب نے اپنے تاثرات و قارئین کے اظہار تعزیت پر مشتمل ایک کتاب ''ماں جی قبلہ کی یاد میں'' شایع کرکے تقسیم کی۔ نیز علامہ محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''ثواب العبادات'' کو اردو و انگریزی میں شایع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزّت مِلی ہے

(بھارت کے سفر کی رُوداد)

از: علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی، کراچی پاکستان

اللہ کریم جل شانہٗ اپنے آخری اور سب سے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ اس کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اہلِ ایمان کو درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما کر انہیں بے پناہ سعادت وبرکت اور بخشش ونجات پانے کی راہ دکھائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا مقبول نیکی ہے، ہر وہ مومن جسے درود وسلام کی کثرت سے شغف ہے اس کی خوش بختی قابلِ رشک ہے۔

ماریشس کے سفر سے کراچی پہنچا- گھر میں داخل ہوئے ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ بھارت کے صوبے ''اُڑیسا'' کے شہر سمبل پور سے مولانا نعمان رضا کا فون آیا، وہ اپنے شہر میں عید میلاد النبی ﷺ کے مرکزی جلسہ وجلوس میں میری شرکت چاہتے تھے۔ ان سے عرض کی کہ مَیں ان سے متعارف نہیں ہوں اور ابھی ابھی سفر سے آیا ہوں وہ اگلے روز مجھ سے رابطہ فرمائیں- مولانا نعمان رضا نے اس شب سے 19 اپریل تک متعدد مرتبہ فون کیا- ان کے اصرار پر مَیں محترم محمد فاروق صاحب کے ذریعے بھارتی ویزا لے چکا تھا اور مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب نے مبارک پور (انڈیا) سے فون پر مولانا نعمان رضا کا تعارف بھی کروادیا تھا مگر میری والدہ محترمہ کی علالت مجھے ہرگز اجازت نہیں دیتی تھی کہ کراچی سے باہر جاؤں- 18 اپریل کو مَیں نے قطعی انکار کردیا تھا- ادھر ممبئی میں تحریکِ فکرِ رضا کے جناب محمد زبیر قادری نے ایک دن رَدولی شریف (بارہ بنکی) اور محترم مولانا خوش تر نورانی (علیگ) نے ایک دن دہلی کے لیے طے کرلیا تھا- پانچ دن کا یہ سفر ایسے میں مجھے گوارا نہیں تھا- مولانا نعمان رضا اور مولانا عبدالمصطفیٰ کا کہنا تھا کہ وہاں روزانہ ہی والدہ محترمہ کی صحت کے لیے دعائیں کی جارہی ہیں-

جناب محمد زبیر قادری نے بالآخر یہ کہا کہ صرف ایک دن کے لیے آجایئے تاکہ سمبل پور والوں کا اور مولانا نعمان رضا کا بھرم رہ جائے ورنہ وہاں کے لوگ ان پر اعتماد کرنا چھوڑدیں گے- کراچی میں امین موسیٰ صاحب بھی مسلسل رابطہ کررہے تھے، وہ سمبل پور ہی کے رہنے والے ہیں- مجھے معلوم ہُوا کہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کے سربراہ محترم مولانا سید وجاہت رسول صاحب قادری بھی مدعو ہیں، ان سے رابطہ کیا، انہوں نے بتایا کہ وہ بھی انکار کرچکے تھے لیکن انہیں بھی سمبل پور والوں کے اصرار نے مجبور کردیا-

بھارت کے لیے ویزا کی درخواست چار کاغذوں (فارمس) پر مشتمل ہوتی ہے- پاس پورٹ پر

ویزا اسٹیمپ کے ساتھ ان کاغذوں میں سے دو کاغذ بھی مہریں ثبت کر کے واپس ملتے ہیں - ان میں سے ایک کاغذ بھارت میں داخلے کے وقت لے لیا جاتا ہے اور دوسرا کاغذ مسافر کو بھارت کے پورے سفر میں اپنے ساتھ رکھنا ہوتا ہے، یہ کاغذ وہاں سے واپسی پر اسے خروج کے وقت متعلقہ عملے کو دینا ہوتا ہے - پاکستانی مسافروں کو بھارت میں داخلے کے وقت دو طرح کے کاغذ مزید پُر کرنے ہوتے ہیں - یہ کاغذ (فارمس) طیارے میں میزبان عملہ مسافروں کو فراہم کر دیتا ہے ورنہ یہ کاغذ ایر پورٹ پر مسافر کو دیئے جاتے ہیں اور اسے وہیں انہیں پُر کرنا پڑتا ہے - ان دونوں طرح کے کاغذوں میں سے ایک پورا کاغذ اور دوسرے کا کچھ حصہ داخلے کی مہریں لگا کر مسافر کو واپس کر دیا جاتا ہے اور یہ دونوں کاغذ بھی مسافر کو محفوظ رکھنے ہوتے ہیں اور واپسی کے وقت پیش کرنے پڑتے ہیں - بتایا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی کاغذ کے گم ہوجانے پر مسافر کو شدید پریشانی اٹھانی پڑتی ہے - بھارتی ویزا میں پاکستانی مسافر کو پورے بھارت میں گھومنے پھرنے کی آزادی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف ان شہروں میں جاسکتا ہے جہاں کی اُسے اجازت دی گئی ہو، علاوہ ازیں پاکستانی مسافر کو ویزا فارم میں درج ہر شہر میں آمد اور وہاں سے روانگی کا وقت پولیس آفس میں درج کروانا پڑتا ہے - البتہ مختصر مدت کے سفر میں یا مشہور افراد کو اس شرط کے بغیر یعنی "نان پولیس رپورٹنگ" ویزا بھی جاری کیے جاتے ہیں - پولیس رپورٹنگ والا ویزا مجھے اب تک صرف ایک مرتبہ ملا وہ بھی شاید اس لیے کہ وہ مجبوری میں جنوبی افریقا سے گزشتہ برس لینا پڑا تھا - 20 اپریل کی صبح پی آئی اے (پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز) کے طیارے میں مسافروں کی تعداد زیادہ نہیں تھی - کراچی سے ممبئی تک کی پرواز ڈیڑھ گھنٹے کی تھی - ممبئی کی فضا سے منظر کچھ عجیب لگتا ہے - ایر پورٹ کے اطراف مفلوک الحال لوگوں کی جھگیاں، کھولیاں اور ساتھ ہی ان کے اطراف اونچی عمارتیں بھی نمایاں نظر آتی ہیں - طیارے ہی میں میزبان عملے نے وہ فارم فراہم کر دیئے تھے جو داخلے کے وقت پُر کر کے پیش کرنے ہوتے ہیں، اس لیے امیگریشن کاؤنٹر پر زیادہ وقت نہیں لگا - پاکستانی صدر مملکت انہی دنوں بھارت یاترا کر کے گئے تھے اور پاکستانی کرکٹ ٹیم کھیل جیت کر گئی تھی - حکمرانوں کے مزاج اور حکومتی پالیسیوں کے اثرات رعایا (عوام) ہی پر پڑتے اور انہیں ہی بھگتنے ہوتے ہیں -

سامان لیے ایر پورٹ سے باہر آئے تو تحریک افکار رضا کے سربراہ جناب محمد زبیر قادری اور ان کے ساتھیوں محمد اسحاق برکاتی اور ساجد صاحبان نے ہار پھولوں اور نعروں سے استقبال کیا - ان لوگوں نے ہماری خاطر اس دن اپنے کام موقوف کیے تھے - ایر پورٹ سے ممبئی سینٹرل تک ہمیں کراچی تا ممبئی پرواز کے دورانیے سے زیادہ وقت لگ گیا، اس دوران سمبل پور (اڑیسا) اور رَدولی شریف (بارہ بنکی) سے مولانا نعمان رضا اور مولانا عبدالمصطفیٰ کے فون آئے اور ہم نے بھی کراچی اپنے گھروں میں فون کر کے ممبئی پہنچنے کی اطلاع کی - ہوٹل پہنچ کر ارادہ یہی تھا کہ کچھ آرام کریں گے لیکن طعام اور گفتگو ہی میں سہ پہر بلکہ شام

ہوگئی - الحاج فاروق سوداگر درویش ، حاجی عبدالمجید نوری اور مولانا محمد سعید نوری سے فون پر بات ضرور ہوئی، لیکن ان لوگوں سے ملاقات نہ ہوسکی کیوں کہ ممبئی شہر میں ٹریفک کا ازدحام اور فاصلے حائل ہوئے اور وقت کم تھا - طعام سے قبل جناب محمد زبیر قادری ہمیں جناب محمد آصف سے ملوانے لے گئے - شادی بیاہ اور تقریبات پر نوجوانوں کے ملبوسات کے حوالے سے آصف صاحب کی شاپ ممبئی میں مشہور ہے - وہاں 70 ہزار روپے تک کی اچکن بھی ملتی ہے - وہاں پر مردوں نے بھی ایسا لباس پہننا شروع کر دیا ہے جس پر کڑھائی کا کام زنانہ لباس کی طرح ہوتا ہے - آصف صاحب نے بہت پذیرائی کی - وہ مسلکِ حق اہلِ سنّت و جماعت کے مخلص اور معاون بھی ہیں - ہم اسی شاپ میں تھے کہ مفتی محمد ابراہیم صاحب مقبولی وہاں تشریف لے آئے - ان سے اچانک ملاقات پر بہت خوشی ہوئی - گزشتہ برس انہی دنوں ان کی دعوت پر ہانگل شریف کا سفر کیا تھا - مفتی صاحب ہمیں اس شاپ کے قریب ہی ایک گھر میں لے گئے اور بتایا کہ ممبئی آمد پر وہ یہیں آیا کرتے ہیں - اس گھر کے مکینوں نے عقیدت و محبت سے ہمارا استقبال کیا - کچھ دیر وہاں نشست کے بعد ''ساگر ریسٹورنٹ'' میں مفتی صاحب نے ہمیں کھانا کھلایا - اس طعام گاہ سے ''تحریکِ فکرِ رضا'' کا آفس قریب تھا اور مولانا وجاہت رسول صاحب کو محمد زبیر صاحب وہاں ضرور لے جانا چاہتے تھے- یہاں محمد زبیر صاحب کے ساتھی کارکنان جمع تھے - جناب محمد زبیر قادری اور ان کے تمام ساتھی ملازمت کرتے ہیں اور اپنے آرام کے اوقات میں سے خاصا وقت مسلکی خدمات کے لیے قربان کرتے ہیں - ان کے اس مختصر سے آفس میں تدریس بھی ہوتی ہے ، اس کے علاوہ دارالمطالعہ بھی ہے اور گزشتہ ایک دہائی میں انہوں نے متعدد کتب اُردو اور انگریزی میں شائع کی ہیں - سہ ماہی ''افکارِ رضا'' بھی ان کی کاوشوں میں نمایاں ہے اور یہ نوجوان رابطوں اور خدمات میں ہمہ دم بساط بھر مشغول رہتے ہیں - نصف شب سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا اور اگلی صبح ہمیں سمبل پور کے لیے رائے پور جانے والی پرواز سے روانہ ہونا تھا - ہوٹل واپس آئے تو جناب محمد حنیف قریشی سے ملاقات ہوئی - وہ نماز کے موضوع پر انگریزی میں ایک کتاب لیے میرے منتظر تھے- حنیف صاحب اور ان کی اہلیہ کو (جو کہ سید زادی ہیں) دینی و مسلکی تعلیم و تبلیغ سے گہرا شغف ہے - انہیں مَیں نے اپنے والد محترم علیہ الرحمہ کی تحریر کی ہوئی نماز مترجم کا تازہ انگریزی ایڈیشن دکھایا ، اس کتاب کا ایک ہی نسخہ اس وقت ساتھ تھا جو کہ جناب محمد زبیر قادری کو مَیں دے چکا تھا - حنیف صاحب نے چاہا کہ وہ اس کا عکس ہی بنالیں ، ان سے وعدہ کیا کہ انہیں یہ کتاب بذریعہ ڈاک بھجوادوں گا - رات کے دو بج چکے تھے اور صبح ہوتے ہی ہمیں روانہ ہونا تھا - دوستوں سے عرض کی کہ وہ کچھ دیر آرام کرلیں - صبح سات بجے بسکٹ اور دودھ کا مختصر ناشتا کر کے ایرپورٹ روانہ ہوئے - ممبئی میں ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ کسی مزار شریف پر حاضری نہ دی ہو - گزشتہ شب حضرت حاجی علی کی درگاہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے گاڑی ہی میں فاتحہ خوانی کر سکے تھے - آج فقیہ کوکن کے دربارِ پُر انوار میں حاضری کا

شرف حاصل ہوا - ایر پورٹ کا فاصلہ خاصا تھا اور کچھ سڑکوں پر مرمت کے کام کی وجہ سے ٹریفک کا تسلسل متاثر ہو رہا تھا - ممبئی شہر میں انڈین ایرلائنز کا اندرون ملک پروازوں کے لیے ٹرمنل الگ ہے، اسی طرح دیگر ایرلائنز کے ٹرمنل بھی الگ الگ ہیں - یہاں ہر مرحلے پر خواتین کا عملہ زیادہ نظر آتا ہے اور وہ سب ساڑھی ہی میں ملبوس رہتی ہیں کہ یہی ان کا قومی پہناوا ہے ۔ جب کہ ہمارے وطن میں پی آئی اے کے سوا پرائی ویٹ ایرلائنز کی خواتین عملے کو قومی مشرقی لباس کی بجائے مغربی طرز کے لباس کا یونی فارم دیا جاتا ہے- بھارت میں آپ کسی پرواز میں سوار ہوں آپ کو غیر ملکی سیاح ضرور نظر آتے ہیں - سال بھر وہاں سیاحوں کی کثرت سے آمد رہتی ہے اور وہ وہاں کی کم سہولتوں والے علاقوں میں بھی سیاحت بہت پسند کرتے ہیں، ان سیاحوں کو وہاں ان کی شراب نوشی، حرام خوری اور دیگر بدفعلیوں کی پوری آزادی ہے- مسلمانوں کی تاریخی یادگاریں ان سیاحوں کی توجہ کا خاص مرکز ہیں - بتایا جاتا ہے کہ صرف آگرہ میں موجود تاج محل ہی کے زائرین سے اربوں روپے کی آمدنی بھارت کو ہوتی ہے - انڈیا میں بیش تر ایرپورٹس کے لاؤنجز میں یہ بھی دیکھا کہ کثیر تعداد میں اخبارات مسافروں کے لیے رکھے جاتے ہیں اور موبائل فون چارج کرنے کے لیے بھی مختلف کمپنیوں نے ہر قسم کی پن والی لیڈ کے ساتھ سہولت فراہم کی ہوئی ہے- ٹی وی سیٹ جو نصب ہیں ان میں اشتہارات اور تفریحی پروگراموں سے زیادہ خبروں کی اشاعت کا اہتمام رکھا گیا ہے- گزشتہ روز ٹرین کا کوئی حادثہ ہُوا تھا، اس کی رُوداد اور سانحے کی جھلکیاں زیادہ دکھائی جا رہی تھیں -

دس بجے صبح پرواز روانہ ہوئی - راستے میں ماہ نامہ جامِ نور کا تازہ شمارہ ہمارے زیرِ مطالعہ رہا - کتابی سلسلہ نعت رنگ کے مدیر جناب سید صبیح رحمانی کا انٹرویو اور جناب خوش تر نورانی کے اداریے پر مولانا وجاہت رسول سے گفتگو بھی ہوتی رہی - ایک گھنٹا چالیس منٹ کی اُڑان کے بعد طیارہ رائے پور کے ایرپورٹ پر اُترا - مجھے حضرت ادیب رائے پوری یاد آئے ، وہ اسی شہر کے رہنے والے تھے - ایرپورٹ کی عمارت میں داخل ہوئے تو ہار پھول لیے علما و احباب وہاں استقبال کے لیے منتظر پایا - ان لوگوں سے یہ پہلی ہی ملاقات تھی - مولانا نعمان رضا کے ساتھ وہاں حضرت مولانا محمد علی فاروقی بھی آئے تھے - رائے پور اب چھتیس گڑھ نامی نئے صوبے کا شہر ہے - اس علاقے میں ان کے والد گرامی حضرت مولانا حامد علی فاروقی نے مسلکِ حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے نمایاں خدمات انجام دیں اور دارالعلوم بھی قائم کیا ۔ مولانا فاروقی صاحب چاہتے تھے کہ ایرپورٹ سے ان کے دارالعلوم چلا جائے اور وہاں کچھ دیر آرام کر کے سنبل پور کا سفر کیا جائے - ان سے عرض کی کہ سفر لمبا ہے اور آج ہی جلسہ ہے اس لیے ہمیں کسی مناسب جگہ کھانا کھلا کے وہ رخصت کر دیں ، واپسی پر رائے پور ٹھہرنا ہُوا تو ضرور ان کے دارالعلوم چلیں گے ۔ وہ ایک طعام گاہ میں لے گئے وہیں انہوں نے اپنے کچھ کتابچے بھی منگوا کر ہمیں عطا کیے - رائے پور سے سنبل پور کی مسافت مجھے کراچی میں مولانا نعمان رضا نے تین گھنٹے بتائی تھی اور اس وقت وہ چار گھنٹے بتا رہے تھے

جب کہ امین موسیٰ صاحب نے پانچ گھنٹے بتائی تھی - راستے میں فیروز صاحب نے صرف دس منٹ کے لیے ایک جگہ لسّی پلانے کے لیے ٹھہراؤ رکھا - ہر پندرہ منٹ آدھے گھنٹے بعد سمبل پور سے فون آتا رہا اور وہ مسافت کا پوچھتے رہے-

سمبل پور ہم پہنچے تو مغرب ہوگئی تھی- سمبل پور شہر سے قبل ہی مولانا محمد اسرائیل صاحب کی قیادت میں کثیر نوجوانوں کا قافلہ ہمارا منتظر تھا - سیکڑوں موٹر سائکلوں پر سوار نوجوانوں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ پورے شہر کا گشت کرتے ہوئے قیام گاہ تک لے جائیں گے - ہر علاقے کے چوک پر ہجوم کے نمایاں افراد ہار پہنانے اور مصافحہ کرنے کو اس شدت سے بڑھتے کہ ان کی وارفتگی میں ہمیں دشواری ہونے لگی - سیکڑوں ہار ہمارے گلے میں پہنائے گئے - مولانا نعمان رضا اور فیروز صاحب بھی لوگوں کی اس یلغار سے گھبرا گئے- ان کا کہنا تھا کہ یہاں پہلی مرتبہ پاکستان سے مہمان آئے ہیں ، اس لیے یہاں کے لوگوں کی خوشی ہوا ہے- کچھ نوجوان تو آتش بازی کے مظاہرے سے بھی باز نہ آئے - گاڑی سے ہوٹل کے دروازے تک ہمیں جس مشکل سے پہنچایا گیا اس کا صحیح اندازہ تو منتظمین ہی کو ہوگا - ممبئی کے ہوٹل سے ہم صبح سات بجے نکلے تھے اور سمبل پور میں ہوٹل کے کمرے تک پہنچے آٹھ بج چکے تھے - مولانا وجاہت رسول صاحب بھی بہت تھکن محسوس کررہے تھے - ہوٹل کے کمرے میں ہمیں دیکھنے اور ملنے کے لیے آنے والوں کا تسلسل رہا - ہم نیم دراز ہوکر آرام بھی نہ کرسکے - ان لوگوں میں عقیدت و محبت تو بہت تھی لیکن نظم نہ تھا ، مجھے ان کی اس شیفتگی کا پاس رکھنا تھا ، اتنی محبتیں انعام ہی تو ہیں - مولانا نعمان رضا ، فیروز صاحب ، یعقوب شیخ صاحب ، جہاں گیر صاحب ، نواب صاحب ، وسیم صاحب اور دیگر کا احوال کچھ یہی تھا کہ وہ ہمیں دیکھتے رہیں اور ہر طرح ہمارا خیال کرتے رہیں - کچھ دیر بعد وہیں طعام کا اہتمام ہوا اور پھر مجھے جلسہ گاہ لے جایا گیا - سمبل پور کی عیدگاہ میں شب میلاد مصطفیٰ (ﷺ) کا جلسہ رکھا گیا تھا - ناظم جلسہ نے اپنی شستہ و شائستہ اُردو میں والہانہ پذیرائی کی اور وہ تو کرکٹ ٹیم اور کھیل کے حوالے سے بھی بات کرتے رہے ، یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ وہ کھلاڑی کھیل جیتنے کے لیے آئے تھے اور میرے لیے کہا کہ یہ دل جیتنے آئے ہیں - اسٹیج پر علما اور شعرا بھی موجود تھے اور خود ناظم جلسہ بھی شاعری میں درک رکھتے تھے - تقریر شروع ہوئی - کیوٹی وی پر مجھے سننے دیکھنے والے اس شب روبرو دیکھ سن رہے تھے - دورانِ تقریر حضرت مولانا وجاہت رسول صاحب بھی جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے - شب تین بجے تک تقریر جاری رہی - 12 ربیع الاوّل کو سمبل پور میں فجر کے بعد جلوس اور نماز جمعہ سے قبل جلوس کے اختتام پر جلسے کا پروگرام تھا - اس جلسے سے مولانا سید وجاہت رسول صاحب نے خطاب فرمایا -

جمعہ کے اجتماعات سے خطاب ہم دونوں کے لیے الگ الگ مساجد میں رکھا گیا تھا - دن بھر وہاں سمبل پور میں میلاد کمیٹی والوں نے لوگوں کو کھانا کھلانے کا سلسلہ رکھا - ممبئی سے محمد زبیر قادری اور رَدولی

سے مولانا عبدالمصطفیٰ کے فون آتے رہے - یہاں دعوتِ اسلامی کے وابستگان بھی ملے اور اپنی خدمات سے آگاہ کرتے رہے - فیروز صاحب کا کہنا تھا کہ براعظم ایشیا کا یہاں بہت بڑا ڈیم ہے جو 17 کلومیٹر لمبا ہے - چلیں وہ دیکھیں - ان سے عرض کی کہ آج عید میلادالنبی (ﷺ) ہے، آج ہمارے وطن پاکستان میں ماحول اور منظر ہی کچھ اور ہوتا ہے - میں یہاں آج کے دن سیر و تفریح کے لیے نہیں آیا - ہوٹل میں لوگ مسلسل آتے رہے - اُڑیسا کے ایک صحافی انٹرویو کے لیے بھی آئے اور کچھ سوال کیے - جلسہ گاہ میں جانے سے پہلے حضرت مولانا وجاہت رسول صاحب کے کمرے میں ان سے ملاقات کی - مولانا نے یہاں سے کول کتا اور بنارس بھی جانا تھا - آج طے پایا تھا کہ میری تقریر ابتداء میں ہوگی کیوں کہ مجھے صبح 7 بجے رائے پور پہنچ کر دہلی جانے کے لیے طیارے میں سوار ہونا تھا اور سمبل پور سے رائے پور کی مسافت ہم گزشتہ روز دیکھ چکے تھے - گیارہ بجے شب میری تقریر شروع ہوئی - ہجوم گزشتہ شب کی نسبت بہت زیادہ تھا نشست کی جگہ نہ ہونے کے باعث اطراف میں لوگوں نے کھڑے ہوکر تقریر سُنی، دو گھنٹے تقریر جاری رہی - لوگوں کو بتادیا گیا تھا کہ مجھے تقریر کے فوراً بعد روانہ ہونا ہے اس لیے مجھے راہ دے دیں لیکن مصافحہ کے لیے ہجوم نے یلغار کردی - سوا دو بجے شب وہاں سے روانگی ہوسکی اور بغیر کہیں رکے سیدھا رائے پور ایرپورٹ پہنچے - حضرت مولانا محمد علی فاروقی کو جانے کس نے اطلاع کردی تھی وہ احباب سمیت صبح سویرے ایرپورٹ تشریف لے آئے - وہیں انہوں نے وہاں کے ایک ممبر پارلیمینٹ سے بھی ملوایا - مولانا فاروقی صاحب سے معذرت کی کہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے مَیں ان کے دارالعلوم نہیں آسکا - ان سے کہا کہ وہ مولانا وجاہت رسول صاحب سے رابطہ رکھیں - وہ انہیں ضرور وقت دیں گے - دہلی جانے کے لیے یہ اُڑان براستہ ناگ پور تھی - ناگ پور کا فضا سے منظر بتا رہا تھا کہ یہ خاصی آبادی کا شہر ہے - طیارے میں بیٹھے ہی وہاں آرام فرما اولیائے کرام و اہلِ ایمان کے لیے فاتحہ خوانی و دعا کی - دہلی ایرپورٹ پر طیارہ اُترا - وہاں موسم میں گرمی کی شدت تھی - ایرپورٹ کی عمارت سے باہر آیا تو فاضل نوجوان مولانا خوش تر نورانی اور ان کے ہمراہ پانچ چھ افراد استقبال کو موجود تھے - یہ افراد 25 مئی کو دہلی کے علاقے خوریجی میں جلسہ کے پوسٹر ساتھ لائے تھے اور اس جلسے میں ہر صورت میری شرکت چاہتے تھے - ان سے کہا کہ مَیں تین دن سے مسلسل سفر میں ہوں، جہاں قیام کرنا ہے وہاں پہنچیں پھر بات کرتے ہیں - صرف جلسے ہی کے حوالے سے یہ لوگ آئے تھے، میرے استقبال کو صرف مولانا خوش تر نورانی تشریف لائے تھے، انہی کی گاڑی میں پہلے جناب قمرالدین کے آفس پہنچے - قمرالدین صاحب تاجر پیشہ ہیں اور دہلی کے نمایاں افراد میں سے ہیں - ان کے آفس میں جناب محمد اکرام ایڈوکیٹ اور دیگر احباب سے ملاقات ہوئی - وہاں جتنی دیر ٹھہرے یہی بات ہوتی رہی کہ مَیں پیر 25 مئی کو دہلی کے اس جلسے میں شرکت کا پکا وعدہ کرلوں جب کہ مَیں اس روز ہر صورت کراچی پہنچنا چاہتا تھا - مولانا خوش تر نورانی کے ساتھ جامع مسجد دہلی کے علاقے

میں آیا - یہاں راہ چلتے لوگ بھی پہچاننے لگے کیوں کہ کیوٹی وی یہاں بہت دیکھا جاتا ہے- مولانا خوش تر نورانی کے والد محترم جناب غلام ربانی اور کچھ احباب تشریف لائے اور بہت محبت سے ملے - وہیں انہوں نے طعام کا اہتمام کیا- محترم سید محمد علیم اشرف جائسی بھی چند لمحوں کے لیے تشریف لائے - کچھوچھا شریف کے خاندان اشرفیہ کے نمایاں افراد میں سے ہیں اور علمی حلقوں میں جانے پہچانے ہیں - بھارت ہی میں نہیں بلکہ رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا نام اور کام سمتوں میں جانا پہچانا ہے - دنیائے اہلِ سنت میں وہ قابل قدر اور معتبر ہستی تھے - بھارت کی راج دھانی ، دہلی میں مسلکِ حق اہلِ سنت و جماعت کے لیے انقلابی کارگزاری کے حوالے سے بھی ان کا نام قابلِ ذکر ہے - اس شہر میں '' بستی نظام الدین'' کا علاقہ حضرت سلطان المشائخ سیدنا محمد نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک سے موسوم ہے- حضرت کی درگاہ شریف کو جانے والے راستے میں دیوبندی تبلیغی جماعت نے اپنا مرکز بنالیا اور اس درگاہ شریف کے زائرین کے لیے دیوار ہونے کی کوشش کی - اس علاقے میں انہی لوگوں کی عمل داری نظر آنے لگی - دینی کتب کی تمام دکانیں بھی اسی طبقے کی ہوکر رہ گئیں- ان دکانوں کا یہ احوال ہوگیا کہ ان سے صحیح العقیدہ علمائے حق کی کوئی کتاب مانگی جاتی ہے تو یہ لوگ بدزبانی سے بھی نہ جھجکتے - حضرت علامہ ارشد القادری نے اس شہر میں دینی مدرسہ بھی قائم کیا اور ان کے فرزند نے اس علاقے میں '' مکتبہ جامِ نور'' قائم کیا، انہیں جانے کتنے ناگفتہ بہ ستم سہنے پڑے لیکن ان کا صبر واستقامت رنگ لایا- اب اسی علاقے میں صحیح العقیدہ افراد کے متعدد کتب خانے ہیں اور '' غیروں'' نے بھی مالی منفعت کے لیے اہلِ سنت کی کتب شائع کرنی شروع کردی ہیں- اسی مکتبہ جامِ نور سے مولانا خوش تر نورانی نے '' ماہ نامہ جامِ نور'' کا اجراء کیا اور ایک برس ہی میں اسے نمایاں جریدہ بنادیا- وہ علی گڑھ یونی ورسٹی کے علاوہ لیبیا سے عربی میں بھی نصابی تعلیم کی اسناد رکھتے ہیں اور صحافت (جرنلزم) میں بھی '' سند یافتہ'' ہیں، یوں وہ مدیرانِ جرائد اہلِ سنت میں پہلے شخص ہیں جو اس شعبے کی اعلیٰ سند رکھتے ہیں - نوجوان ہیں اور پُرعزم ہیں- اللہ نے چاہا تو وہ بہت جلد بہت نمایاں شخصیت اور مسلکِ حق کے لیے سرمایہ ثابت ہوں گے-

مولانا خوش تر نورانی سے عرض کی کہ مجھے صرف دو گھنٹے آرام کے لیے دے دیں- شام ہوتے ہی ہم ہوٹل سے نکلے - کناٹ پلیس پہنچے تو ایمپوزیم بند ہو رہے تھے - سید اطہر صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے لیبیا میں یہ بھی مولانا خوش تر کے ساتھ زیر تعلیم رہے - مغرب کے بعد ہم حضرت سیدنا محبوب الٰہی کی درگاہ شریف پہنچے - درگاہ شریف میں موجود احباب نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا اور محبت سے خوب پذیرائی کی- محترم صاحب زادہ سید ناظم علی نظامی نے ایک چادر شریف بھی عطا کی- یہاں جناب سرور چشتی بھی ملے- بتایا گیا کہ مزارات کی کمیٹی میں وہ نمایاں عہدہ رکھتے ہیں- مولانا خوش تر نورانی نے بتایا کہ مولانا یاسین اختر مصباحی ہوٹل میں منتظر ہیں، وہ بتا رہے تھے کہ محترم شرر مصباحی صاحب بھی ملنا چاہتے ہیں- مجھے

اگلی صبح لکھنؤ کے لیے روانہ ہونا تھا، وقت ہوتا تو دہلی میں متعدد شخصیات سے خود ملنے جاتا- اسی روز دہلی میں حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی رضی اللہ عنہ کا عرس شریف ہو رہا تھا- ہم ہوٹل پہنچے تو مولانا یاسین اختر صاحب مع احباب کو منتظر پایا- برسوں سے ان کے نام اور ان کی تحریروں سے شناسائی تھی، آج وہ روبرو تھے- گمان تھا کہ معمر شخصیت ہوں گے- بتی عمر انہوں نے 54 برس بتائی- مولانا یاسین اختر مصباحی نے اپنی مطبوعہ ضخیم کتاب "نقوشِ فکر" مجھے عطا فرمائی - یہ ان کی بکھری ہوئی تحریروں کا مجموعہ ہے- کچھ دیر بعد وہ تشریف لے گئے اور مولانا قمر الدین صاحب مدیر ماہ نامہ کنزالایمان دہلی تشریف لائے- ان سے جرائد و رسائل کے حوالے سے گفتگو ہوئی - نصف شب کے قریب ہم طعام کے لیے گئے- مجھے احساس تھا کہ مولانا خوش تر نورانی صبح سے ہی اپنے مشاغل اور امور ترک کیے تحت گرمی میں میری خاطر داری میں لگے رہے ہیں- ان سے کہا کہ وہ کچھ دیر آرام کرلیں کیوں کہ صبح فجر کے بعد ایرپورٹ جانا ہے- ان کے جانے کے بعد مَیں نے سامان ایک جگہ کردیا کیوں کہ مجھے 24 گھنٹے بعد پھر دہلی آنا تھا، مناسب یہی تھا کہ سامان دہلی میں چھوڑ جاؤں - رائے پور سے مولانا فاروقی صاحب یاد فرماتے رہے تھے۔ انہوں نے کمبل پور سے میری تقریر کی ریکارڈنگ منگوا کر سُنی تھی، شاید پہلی مرتبہ انہوں نے مجھے سُنا تھا وہ بہت خوش تھے اور ان کا فرمانا تھا کہ آئندہ سفر میں رائے پور کے لیے ضرور وقت دوں۔ صبح ابھی تیار بھی نہیں ہوا تھا کہ جناب قمر الدین مع احباب پھر تشریف لے آئے اور اسی لمحے Jain T.V کے سید عرفان رسول صاحب بھی آگئے وہ مختصر انٹرویو ریکارڈ کرنا چاہتے تھے- ان لوگوں کا وہی اصرار تھا کہ پیر کے دن بھی قیام کروں اور دہلی میں ہونے والے اس بڑی کانفرنس میں ضرور شرکت کروں - ہوٹل سے نکلے اور مولانا خوش تر نورانی کے ہمراہ ایرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے - اتوار کے دن کی صبح تھی، چھٹی کے دن ہونے کی وجہ سے ٹریفک قدرے کم تھا- کناٹ پلیس کے ٹریفک کی روانی کے لیے زیر زمین راستے بنانے کا کام ہو رہا تھا - دہلی میں پرانی دہلی اور نئی دہلی میں واضح فرق ہے- اس شہر میں ترقیاتی کاموں کی گزشتہ دہائی میں رفتار بہت تیز رہی ہے- نئی دہلی میں عمدہ تعمیرات اور سڑکیں بہت صاف نظر آتی ہیں - متعدد پُل بنائے گئے ہیں - ٹریفک قوانین کی عام خلاف ورزی پر آپ کو برلب سڑک نہیں روکا جاتا بلکہ آپ کو جرمانے کا چالان بھجوادیا جاتا ہے جسے پندرہ یوم میں ادا کرنا ہوتا ہے ورنہ مزید کارروائی ہوتی ہے - اکثر سڑکیں کشادہ ہیں- کچھ علاقے بالکل مغربی طرز تعمیر اور ماحول کے عکاس ہیں - بھارت کے اس شہر کی صوبائی حکمران ایک خاتون ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ مخالفت کی پرواہ کیے بغیر کام میں مگن رہتی ہیں - پرانی دہلی کی زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے- اس حصے میں ہجوم تو بہت نظر آتا ہے لیکن نئی دہلی والی کوئی بات یہاں کم ہی دیکھی جاتی ہے- مولانا خوش تر نورانی سے دہلی کی بات کرتے کرتے علما و مشائخ کی باتیں ہونے لگیں- وہ ممبر پارلیمنٹ حضرت مولانا عبید اللہ خان اعظمی کے بہت مداح ہیں - بتا رہے تھے کہ اُردو میں فصیح گفتگو

کرتے ہوئے انگریزی کا کوئی لفظ وہ اپنے بیان میں نہیں آنے دیتے اور روانی رہتی ہے- اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے کبھی ہچکچاتے نہیں- مجھے حضرت مولانا قمر الزمان خاں صاحب اعظمی کو سننے کا اتفاق تو ہُوا ہے لیکن ان کے بھائی مولانا عبیداللہ خاں اعظمی کی خطابت کا صرف تذکرہ ہی سُنا ہے- مسلک حق اہلِ سنت و جماعت کے اکابر و اصاغر میں مختلف کمزوریوں کی وجہ سے جو الجھنیں، نا اتفاقی اور کشاکش ہے اس پر بھی گفتگو ہوئی- یہ گفتگو جاری تھی کہ ایرپورٹ آ گیا- ایر سہارا کی پرواز سے لکھنو پہنچا- مولانا محمد احمد بقائی، مولانا قاری ذاکر علی، مولانا عطا محمد اور ان کے ساتھ کچھ افراد پھول لیے استقبال کو موجود تھے- وہ مجھے ڈاکٹر اسلم صاحب کے ہاں لے گئے- بتایا گیا کہ حضرت ازہری میاں قبلہ (تاج الشریعہ مولانا اختر رضا خاں) یہیں آیا کرتے ہیں- ڈاکٹر صاحب کے ہاں طعام کا اہتمام تھا- ان کے ہاں بنارس سے ان کے عزیز و اقارب جمع تھے اور اس شام ان کے اہلِ خانہ میں شادی کی تقریب تھی- سب گھر والے بہت محبت سے ملے- یہاں میرے پاس صرف تین گھنٹے تھے اور پورا لکھنو شہر تھا- یہ شہر صوبہ اتر پردیش کی راج دھانی ہے- اس کا پرانا نام لکشمن پور بتایا جاتا ہے- سلطان محمود غزنوی کے لشکری یہاں ٹھہرے اور ایک نئی کالونی لکھنو کے نام سے آباد ہوئی- فرنگی محل کے موجودہ سربراہ بھی ملاقات چاہتے تھے اور اس علاقے میں جانا ایسا تھا کہ پھر کہیں اور نہیں جا سکتے تھے- ظہر کی نماز ہم نے حضرت شاہ مینا علیہ الرحمہ (م 884) کے مزار شریف سے ملحق مسجد میں ادا کی- پھر مزار شریف پر فاتحہ خوانی کی- گومتی ندی کے کنارے گاڑی میں گزرتے گزرتے "ندوۃ العلماء" کی عمارت دیکھی اور اودھ کے آخری حکمران واجد علی شاہ کا محل بھی دیکھا، جسے اب ریسرچ لیبارٹری کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے- 1847ء سے 1856ء تک اس محل میں اس حکمران نے جیسے بسر کی وہ ایک داستان ہے- اَوَدھ کے حوالے سے نواب آصف الدولہ کا نام تاریخ میں مشہور ہے- اس نے فیض آباد کی بجائے لکھنو کو راج دھانی بنایا- غازی الدین حیدر نے اسے نوابوں کا شہر بنایا- کہتے ہیں کہ اس شہر میں اوسطاً 43 انچ بارش ہوتی ہے- 1775ء سے 1797ء تک اس نواب کے راج میں لکھنو میں ایک عمارت تعمیر ہوئی جسے نواب آصف الدولہ کا امام باڑا کہتے ہیں- یہاں ہر وقت سیاحوں کی آمد رہتی ہے اور مقامی لوگ سیرگاہ کے طور پر یہاں آتے ہیں- اس عمارت کو اس کے طرز تعمیر کی وجہ سے خاصی اہمیت حاصل ہے- اس عمارت کا مرکزی ہال 163 فٹ لمبا اور 53 فٹ اونچا چوڑا ہے- اس کی اونچائی ساڑھے 49 فٹ ہے اور دیواریں 16 فٹ موٹی ہیں- مغربی عمارت 25 فٹ مربع اور 53 فٹ اونچی ہے- دیواریں اس کی بھی 16 فٹ موٹائی کی ہیں- ہشت پہلو مشرقی عمارت کی گولائی 216 فٹ، اونچائی 53 فٹ ہے اور دیواروں کی موٹائی 16 فٹ ہے- اطراف کی لمبائی 303 فٹ، چوڑائی 163 فٹ اور بلندی 63 فٹ ہے- یہ تفصیل ایک انگریزی کتابچے "لکھنو، نوابوں کا شہر" سے نقل کی ہے جو جناب عطا محمد نے اسی عمارت کے صدر دروازے کے قریب ایک دکان سے میرے لیے خریدا تھا

گرمی بہت تھی اور میرے پاس وقت نہیں تھا اور اس عمارت کے اندر جانے کو طبیعت بھی نہ ہوئی- دور ہی سے اسے دیکھا اسے ''بھول بھلیاں'' بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گائڈ (رہ نما) کے بغیر اس عمارت میں گھومنا آسان نہیں- اُودھ کے تیسرے حکمران محمد علی شاہ کے دور تک یہاں شیعہ رسوم ادا کی جاتی رہیں- اس امام باڑے کی پیشانی یعنی ابتداء میں مسجد کا حصہ تھا- اس عمارت کا مغربی دروازہ ''رومی دروازہ'' کہلاتا ہے- 60 فٹ اونچی محراب اپنی طرز تعمیر میں قابل دید ہے- اس شہر میں حسین آباد پارک اور حسین آباد امام باڑا (دی پلیس آف لائٹ) بھی یادگار ہے جسے 1839ء میں محمد علی شاہ نے تعمیر کروایا- شہر میں جامع مسجد، وِک ٹوریا پارک، چوک بازار، کنگ جارج میڈیکل کالج، لکشمن ٹیلا، فولادی پل (دی آئرن برج) اور ریزی ڈینسی تاریخی عمارتیں ہیں- اس کے علاوہ لال بارہ دری میوزیم، قیصر باغ محلات، موتی محل، تارا والی کوٹھی، شاہ نجف، سکندر باغ، بناری باغ، بی بی پورا ہاؤس، ولایتی باغ، دل کشا، الم باغ پرانی عمارتیں تھیں جنہیں اسی طرح نہیں رکھا جاسکا- چار باغ ریلوے اسٹیشن بھی کبھی خوب ہوگا -لکھنو کی تہذیب، نوابوں کی نوابیاں اور وہاں کی باتیں اب '' کہانیاں'' ہوگئی ہیں البتہ چکن کاری کے جامے اور کچھ لوگوں کے مزاج میں بچی کچی لکھنویت بتاتی ہے کہ '' ابھی کچھ جان باقی ہے اُودھ میں'' - چکن ملبوسات کے ایک ایمپوریم میں کچھ دیر ملبوسات دیکھے اور وہاں سے حضرت مولانا قمر الزماں خاں اعظمی کی قیام گاہ کی طرف چلے- وہ کچھ مہینوں سے اپنے جوان فرزند کی علالت کے باعث برطانیا کے شہر مانچسٹر سے لکھنو آئے ہوئے تھے- عصر کی نماز ان کے ساتھ ادا کی- وہ بچے ان کے نواسے ہی ہوں گے، آداب کے ساتھ پیار سے ملے- حضرت نے بہت پذیرائی فرمائی- وہ فرمارہے تھے کہ بھارت کا دس روزہ پروگرام بناؤ تو یہاں کے مدارس، جامعات اور اہم اداروں کو بھی دیکھ لوگے، نمایاں شخصیات سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور تمہارے خطاب بھی ہوں گے- عرض کی کہ مسلسل سفر میں رہنے سے لکھنے پڑھنے کا کام بہت متاثر ہوتا ہے- اللہ کریم نے چاہا تو حاضر ہوجاؤں گا- حضرت ہمیں گاڑی میں بٹھانے گھر سے باہر تک آئے- مغرب سے قبل ہم لکھنو سے ردَولی شریف کے لیے روانہ ہوئے- سڑک بہتر حالت میں تھی- بارہ بنکی کا یہ علاقہ شاید ہی دیکھنے میں آتا- برسوں پہلے تاج دار ردولی شریف حضرت سیدنا مخدوم شاہ احمد عبدالحق ردولوی کے بارے میں اپنے یار طرح دار شکیل عادل زادہ کے سب رنگ ڈائجسٹ کے لیے مضمون تحریر کیا تھا- ردولی شریف میری حاضری اسی خدمت ہی کا ایک انعام تھی- دارالعلوم مخدومیہ ردولی شریف کے مہتمم مولانا عبدالمصطفی صدیقی برلب سڑک ہمارے انتظار میں کھڑے تھے- موٹر سائکل سوار نوجوانوں نے جلوس کی شکل میں ہمیں قیام گاہ تک پہنچایا- بھارت کے تین شہروں سے ایک ساتھ شائع ہونے والے روزنامے ''راشٹریہ سہارا'' میں اس روز صفحہ آخر مکمل اسی کانفرنس کے حوالے سے تھا- ردولی شریف میں 70 فی صد مسلم آبادی ہے اور ڈیڑھ سو مساجد ہیں- آبادی 60 ہزار کے لگ بھگ ہے- جس مکان میں ہمیں ٹھہرایا

گیا تھا یہ از سر نو تعمیر کیا گیا ہے لیکن اس میں ایک کمرہ قدیم حالت میں جوں کا توں رکھا گیا ہے- اس کمرے میں ایک پرانی مسہری پر بوسیدہ بستر بچھا ہے- سرہانے ایک پرانا کپڑا رکھا ہے جس پر نہایت عمدگی سے کلام پاک کی خطاطی ہے، علاوہ ازیں کچھ تبرکات ہیں - یہ کمرہ اور یہ نوادر، یادگار ہیں حضرت عبداللطیف شاہ ابن بہادر شاہ ظفر (آخری مغل حکمران) کے- صاحب خانہ نے حضرت کی کرامات اور واقعات سنائے کہ وہ نہایت غریب پرور، سادگی پسند درویش بزرگ تھے- دالان میں کھلے آسمان تلے تخت بچھا تھا، کچھ دیر کو وہیں نیم دراز ہوگیا- کچھ ہی دیر بعد حضرت مولانا اعظمی صاحب تشریف لے آئے - ردولی شریف میں 29 ویں سالانہ پیغامِ حق کانفرنس کے وہ بھی خصوصی خطیب تھے- صاحب خانہ نے عمدہ طعام کا اہتمام کیا ہوا تھا - عشاء کی نماز وہیں ادا کی - حضرت مولانا اعظمی کی موٹر کار میں انہی کے ہمراہ تاج دار ردولی شریف کے مزار شریف پر آداب کے مطابق حاضری دی اور وہیں سے جلسہ گاہ پہنچے - مولانا عبدالمصطفی صدیقی کے قائم کردہ مدرسہ کے بالمقابل سڑک کے دوسری طرف کھلے میدان میں بڑا ہجوم جمع تھا - مولانا سخاوت حسین کا خطاب ان کے مخصوص ڈرامائی انداز میں دیکھا اور سُنا- اسی شب علی الصبح ساڑھے چار بجے لکھنو سے دہلی کے لیے پرواز تھی اور مجھے پرواز کی وقت روانگی سے پہلے لکھنو پہنچنا تھا اس لیے بلا تاخیر مجھے دعوت خطاب دی گئی - مولانا صدیقی نے میرے لیے تعارفی کلمات فرمائے جو حضرت اعظمی کو ناکافی لگے، انہوں نے محبت سے میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اور میرے لیے اپنے انداز میں توصیفی کلمات اور دینی خدمات کا تذکرہ فرمایا - ڈیڑھ گھنٹا میرا خطاب جاری رہا اور ہجوم نے بڑی دل جمعی سے سُنا - خطاب کے فوراً بعد مولانا قاری ذاکر علی اور مولانا عطا محمد کے ساتھ واپس لکھنو کے لیے روانہ ہوئے - میرے پاس کچھ سی ڈیز تھیں وہ لکھنو والوں کی نذر کردیں -لکھنو سے دہلی جانے کے لیے یہ پرواز بیرونِ ملک سے مسافروں کو لکھنو لائی تھی اور دہلی کے انٹرنیشنل ٹرمنل پر اتری جہاں سے باہر آنے میں دیر لگی - دہلی کے جلسہ والے ایرپورٹ کے دوسرے ٹرمنل پر منتظر تھے - محمد زبیر قادری صاحب کے دیئے ہوئے موبائل فون کی موجودی سے ان لوگوں کو مجھ سے رابطے میں سہولت ہوئی - ان کا اصرار تھا کہ آج دہلی کے جلسے میں شرکت کرہی لوں - انہوں نے ہوٹل میں ٹھہرایا مگر میرے پاس سامان نہیں تھا کہ لباس بھی بدل سکتا کراچی فون سے رابطہ بھی نہ رکھ سکا کہ میرے پاس موجود موبائل فون کی بیٹری خاموش ہوگئی تھی اور بیٹری چارج کرنے والی لیڈ میرے سامان میں تھی - شام کے بعد مجھے سامان ملا - فون چارج کرتے ہی سب سے پہلے کراچی رابطہ کیا- اگلی صبح دہلی سے کراچی کے لیے کوئی پرواز نہیں تھی اس لیے براستہ ممبئی نشست محفوظ کروائی- مولانا خوش تر نورانی آئے اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کچھ طلبہ بھی ملنے آئے - مجھے بتایا گیا کہ میرا خطاب شب ایک بجے سے قبل نہیں ہوگا - اس دوران دہلی میں تیز ہوائیں اور گرج چمک ہونے لگی، چھینٹے بھی گرے - دعا کی کہ ان لوگوں نے اتنی محنت کی ہے، یا اللہ کریم مہربانی فرما - ہوائیں تھم گئیں

اور بارش کا سلسلہ بھی رک گیا - مولانا خوش تر نورانی آج کریم ہوٹل میں کھانا کھلانا چاہتے تھے مگر وہ بند ہو چکا تھا - ایک طعام گاہ میں کچھ لقمے کھانے کو مل گئے اور ہم جلسہ گاہ پہنچے - اسٹیج پر خاصی تعداد میں معززین موجود تھے - ناظم جلسہ نے مائک پر استقبالیہ نعرے بلند کیے، حد نگاہ تک موجود ہجوم نے کھڑے ہوکر استقبال کیا - ایک صاحب نے مجھے حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کا سلام پہنچایا - وہ اس جلسہ سے خطاب کر کے تشریف لے جاچکے تھے۔ آج ان سے ملاقات ہوجاتی لیکن نہ ہوسکی - دہلی میں جلسۂ عام سے یہ میرا پہلا خطاب تھا - اس دوران حضرت ثمر میاں دہلوی تشریف لائے - خطاب کے بعد مولانا خوش تر نورانی کا فرمانا تھا کہ یہاں ایسے ہی خطاب کی بہت ضرورت تھی اور ایسے چند خطاب ہوجائیں تو چھائی ہوئی دھند چھٹ جائے گی - ساڑھے تین بج چکے تھے اور ہجوم موجود تھا - صبح سات بجے دہلی کے لیے پرواز تھی اور ایرپورٹ سے پہلے مجھے حضرت سیدنا قطب صاحب رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر جانا تھا - مولانا خوش تر نورانی ہی نے مہربانی فرمائی - فجر کی نماز حضرت قطب صاحب کی درگاہ میں ادا کی اور وہاں سے ایرپورٹ آگئے - ایرسہارا کی یہ پرواز اپنے وقت پر روانہ ہوئی - ممبئی ائرپوٹ پر جناب محمد زبیر قادری، جناب محمد اسحاق برکاتی اور امجد صاحب موجود تھے - ہمیں دوسرے ٹرمنل پر پہنچنا تھا - محمد زبیر صاحب نے سہ ماہی افکار رضا کے تازہ شمارے اور رضا اکادمی کا شائع کردہ سالِ رواں کا کیلنڈر دیا، غالباً وہ اپنے آفس میں آویزاں کیا ہوا ہی لے آئے تھے - ہر سال وہ مجھے یہ کیلنڈر بھجوادیا کرتے تھے لیکن گزشتہ برس اور اس برس نہیں بھجوا سکے تھے - یہ کیلنڈر معلومات کا خزانہ ہوتا ہے - جناب حاجی عبدالمجید نوری نے گنبد خضرا اور مواجہ شریف کے عکس کا روشنی والا فریم میری درخواست پر تیار کرا کے رکھا ہوا تھا، جامع مسجد گل زارِ حبیب میں آویزاں کرنے کے لیے مجھے یہ مطلوب تھا - محمد زبیر صاحب وہ بھی لائے ہوئے تھے - پی آئی اے کے کاؤنٹر پر اسٹیشن مینیجر جناب وسیم الاسلام مجھے بہت محبت سے ملے، وہ کراچی میں میرے بھائی کے ساتھ ایک ہی کالج میں زیرِ تعلیم رہے تھے - جہاز میں موجود عملے کے افراد بھی بہت محبت و عقیدت سے پیش آئے - بھارت کے چار صوبوں اور چھ شہروں کا پانچ دن میں یہ سفر تھکا دینے والا تھا - کراچی ایرپورٹ سے میں ماں جی قبلہ کے پاس آیا، ان کے قدم چومے کہ میری یہ سب اُڑانیں اور سیریں انہی کی دعاؤں کا فیضان ہیں اور یہ میرے والدین کریمین ہی کی برکت ہے کہ مجھے میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے، ان کے مبارک ذکر اور ان کی مقدس نسبتوں سے محبت ہے اور یہ ساری عزتیں اور محبتوں کی یہ بہاریں دراصل محبت رسول ﷺ ہی کا کرم و انعام ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ

اُن کا کرم پھر اُن کا کرم ہے، اُن کے کرم کی بات نہ پوچھو

☆☆☆

روودادِ پاکستان ۲۰۰۱ء (چھٹی و آخری قسط)

(۲۲؍اپریل تا ۱۲؍مئی ۲۰۰۱ء)

از: محمد زبیر قادری

۲؍مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ کو مکتبۂ نبویہ میں بیٹھا رہا۔ مکتبۂ نبویہ ایسی جگہ ہے جہاں علم کے پیاسے کتابوں کی تلاش میں دن بھر آتے رہتے ہیں۔ اور پیر زادہ اقبال فاروقی صاحب کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ انڈیا سے کتب و رسائل منگواتے ہیں جو کہ لاہور میں بآسانی دستیاب نہیں ہوتیں۔ اس وجہ سے بھی تشنگانِ علوم اپنی پیاسیں بجھانے ہر دم آتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ علما، اور ریسرچ اسکالرز حضرات بھی اپنے علمی اشکالات لیے حضرت فاروقی صاحب قبلہ کی خدمت میں آکر فیض حاصل کرتے ہیں۔

آج خلیل رانا صاحب کے ہم راہ پہلی بار لاہور کے اُردو بازار جانے کا موقع ملا۔ یہ لاہور میں کتابوں کی مارکیٹ ہے۔ جہاں تقریباً ہر قسم کے موضوع پر کتب دست یاب ہیں۔ یہاں مجھے دینی کتب کا کوئی سنّی مکتبہ نظر نہیں آیا۔ سب بدمذہبوں کے مکتبے تھے۔ اُن مکتبوں کا جائزہ لیا کہ دیکھیں کس قسم کی کتب ان کے یہاں دست یاب ہیں۔ دیکھا کہ یہاں جدید عصری تقاضوں کی ضرورت کے مطابق لٹریچر وافر مقدار میں موجود ہے۔ جب کہ ہمارے یہاں بہت کم لکھنے والے اس جانب توجہ کرتے ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ جس بنا پر پڑھا لکھا طبقہ ہم سے دور ہے۔

اردو بازار سے چند کتب خرید کر ہم دوبارہ مکتبۂ نبویہ پہنچے۔ وہاں جناب محمد عالم مختار حق صاحب تشریف فرما تھے۔ موصوف نے اپنے گھر میں ایک لائبریری بنا رکھی ہے۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ رضویات پر وافر مقدار میں لٹریچر انھوں نے جمع کر رکھا ہے۔ وہ مرکزی مجلس رضا کے رکن بھی ہیں اور ''جہانِ رضا'' کے لیے مضامین بھی لکھتے رہتے ہیں۔

اس مرتبہ مَیں صرف دو دن کا قصد کرکے لاہور آیا تھا۔ اور آج شام میری کراچی کے لیے روانگی تھی۔ خلیل رانا صاحب مجھ سے پہلے ہی الوداع کرکے اپنے وطن جہانیاں منڈی لوٹ گئے۔ میری شام چھ بجے کی ٹرین تھی جب مجھے اسٹیشن کے لیے نکلنا تھا تو اقبال احمد فاروقی صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ مجھے واپسی میں ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ اور مَیں اکیلا ہی اسٹیشن روانہ ہوگیا۔ ٹرین آدھا گھنٹہ تاخیر سے آئی۔ جب میں سوار ہوا تو تھوڑی ہی دیر میں جناب محمد نعیم طاہر رضوی صاحب (مدیر ماہ نامہ ''کنزالایمان'' لاہور) اور جناب ظہور صاحب (مدیر ماہ نامہ ''مہر و ماہ'') مجھے تلاش کرتے آپہنچے۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ آپ اتنی بار آئے اور ہم ملاقات سے محروم رہے۔ دراصل اس سے پہلے آپ کے

جانے کے بعد ہی آپ کی آمد کا علم ہوا تھا۔ خیر اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ ملاقات کروا ہی دی۔

دونوں ہی حضرات مجلّہ ''افکارِ رضا'' سے کافی متاثر تھے اور احقر کی خدمات کو سراہ رہے تھے۔ دونوں صاحبان نے اپنے رسالوں ماہ نامہ ''کنزالایمان'' اور ماہ نامہ ''مہر و ماہ'' کی چند کاپیاں عنایت کیں۔

پھر مجھے انھوں نے بتایا کہ جناب راجہ رشید محمود صاحب بھی مجھ سے ملنے کے متمنی تھے۔ لیکن وہ کچھ وجوہات کی بنا پر اسٹیشن نہ آسکے۔ البتہ انھوں نے بھی آپ کے لیے ہدیۂ خلوص و محبت پیش کیا ہے۔ اور اپنے رسالہ ماہ نامہ ''نعت'' کی چند کاپیاں عنایت کی ہیں۔ اسی اثناء میں سیٹی کی آواز نے ٹرین کی روانگی کا اعلان کیا۔ اور نعیم طاہر صاحب وظہور صاحب نے مجھے نیک خواہشات کے ساتھ روانہ کیا۔ ...... اور مَیں انھیں اپنی یادوں میں بسائے محوِ سفر ہوگیا۔

اگلے دن ۳ر جمعرات دوپہر ۱۲ر بجے ٹرین کراچی پہنچی۔ ۳ تا ۴ر مئی ۲۰۰۱ء صرف ذاتی مصروفیات رہیں۔

۵ر مئی بروز سنیچر دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت کا پروگرام بنایا۔ سبزی منڈی کے علاقہ میں دعوتِ اسلامی کے عالی شان اور وسیع وعریض مرکز میں اجتماع بعد نمازِ مغرب سے ہی شروع ہوجاتا ہے اور صبح فجر تک جاری رہتا ہے۔ اس اجتماع میں لوگ دور دراز سے کئی کئی گھنٹوں کی مسافت طے کرکے شریک ہونے آتے ہیں۔

دعوتِ اسلامی کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں پر کئی مکتبہ قائم ہوگئے ہیں۔ مکتبۃ المدینہ کے علاوہ یہاں ایک مکتبہ غوثیہ بھی ہے جو انتہائی رعایتی داموں پر کتابیں فروخت کرتا ہے۔ نیز مبلغین کو سُنّتوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہاں بہت سی اشیا دست یاب ہیں۔ اجتماع میں شرکت کرکے مَیں نے بھی مولانا الیاس قادری صاحب کا بیان سماعت کیا اور فیض و برکات سمیٹ کر لوٹ آیا۔

۶ تا ۸ر مئی میں کچھ خاص مصروفیات نہ رہیں جو کہ تحریر کی جاسکے۔ ۹ر مئی کو مقصود حسین اویسی صاحب کے ہم راہ ہفت روزہ ''ضربِ اسلام'' کے دفتر پہنچا۔ جس کے مدیر جناب ناصر علی جہانگیر عطاری صاحب سے احقر کا تعارف علامہ کوکب نورانی صاحب نے چند دنوں پہلے ہی کروایا تھا۔ اس اخبار کے اجرا کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہاں غیر مقلدوں نے ''ضربِ مومن'' نام سے اخبار جاری کیا تھا جو سادہ لوح مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتا ہے۔ جبکہ اس کا مشن لوگوں میں بد مذہبیت کو عام کرنا ہے۔ عوام الناس کو جہاد کے نام پر گم راہ کرنے والوں سے بچانے کی غرض سے جناب ناصر صاحب نے ہفت روزہ ''ضربِ اسلام'' کا اجرا عمل میں لایا۔ اور الحمدللہ مختصر عرصہ میں اس کی کافی سرکولیشن بن گئی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب اخبار کی اچھی خاصی تعداد خرید کر تعاون فرماتے ہیں۔

یہ اخبار تبلیغ و جہاد کی خبروں و مضامین، مختلف تنظیموں کی سرگرمیوں، انٹرویو و تاثرات اور تبصرۂ کتب کا خوب صورت مرقع ہوتا ہے۔ چہار رنگی کاغذ پر دیدہ زیب سُرخیوں سے قارئین کا دل موہ لیتا ہے۔ ناصر صاحب اپنے خلوص و جذبے اور انتھک محنت کی وجہ سے اس مشن میں بہت حد تک کام یاب ہیں۔ اور الحمد للہ ان اخبار ترقی پذیر ہے۔

مختلف امور پر باتیں ہوتی رہیں پھر انھوں نے ہمیں رات کا کھانا کھلایا۔ اور تھوڑی دیر بعد میں انھیں اپنے نیک تاثرات پیش کرتا ہوا اور اُن کے مشن میں کام یابی کے لیے دعا کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا۔

۱۰ر مئی واپسی کی تیاری میں لگا رہا۔ ۱۱ر مئی بروز جمعہ کو اپنی موسیٰ کالونی میں واقع مسجد مدینہ منورہ میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ پھر علامہ کوکب نورانی صاحب سے ملنے کے لیے مسجد روانہ ہوا۔ وہ میرے ہی منتظر تھے۔ انھوں نے مجھے کار میں بٹھایا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اُن کی رہائش گاہ سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع ہے۔ یہ ایک بڑے سے بنگلہ پر مشتمل ہے۔

آج وہ مجھے اپنی لائبریری دکھانا چاہتے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ اُن کے کمرۂ لائبریری کی دیواروں پر چھتوں کو چھوتی الماریاں لگی ہوئی تھیں جن میں کتابیں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں کتابیں یہاں موجود تھیں۔ بڑا زبردست ذخیرۂ کتب مولانا نے برسوں کی محنت سے جمع کیا تھا۔ ان کتابوں سے مسلسل وہ استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ مولانا کے استحضارِ علمی کی شاہد ان کی تحریریں ہیں جن میں وہ مسلکِ اہل سنت کی حقانیت ثابت کرتے ہیں اور بدمذاہب ان کے جواب دینے سے عاجز رہتے ہیں۔

پھر انھوں نے مجھے اپنے اخبارات کی فائلیں دکھائی جس میں پاکستان میں چھپنے والے اخبارات سے تراشوں کو کاٹ کر بڑے سلیقے سے چسپاں کیا گیا تھا۔ یہ تراشے نہایت اہم ذخیرہ ہیں جو اہم خبروں کے علاوہ بدمذہبوں کی منافقانہ حرکتوں اور تضاد بیانی سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ کہیں کچھ کہیں کچھ۔ مولانا نے ہر سال کی الگ فائل بنا رکھی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ صرف ان تراشوں سے ہی وہ کئی کتابیں مرتب کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر اس طرف توجہ نہیں دے پاتے۔ تب مَیں نے ارادہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا کی تو مَیں علامہ کے اس کام میں ضرور تعاون کروں گا۔ پھر ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔

اس سفر میں احباب و اصدقا سے دعائیں لیتا، مسلک اہل سنت کو آگے بڑھانے کی نئی راہیں پاتا میں وہاں سے ۱۲ر مئی ۲۰۰۱ء کو صبح روانہ ہوا۔ قائد اعظم انٹرنیشنل ایئر پورٹ، کراچی سے مَیں صرف ڈیڑھ گھنٹہ میں ممبئی پہنچ گیا۔ اور اپنی بخیر و عافیت واپسی اور کامیاب سفر پر خدائے تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

ختم شد

تحریک فکر رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔
آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

If undelivered please return it to:
Muhammad Ishaq : 45/A Momonwada Road, Hirani Bldg, 2/6, Mumbai - 400 003

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی